رجسٹرڈ نمبر اے ۳۲۲۳

علمی، ادبی، اقتصادی، تاریخی، سیاسی، اردو، عربی

ماہنامہ

قائد

مراد آباد

مدیر مسئول

سید محی الدین اختر اسلام

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا حکیم) انظار احمد فیل خانہ مراد آباد

قائد التحریر

سید محمد میاں

سالانہ سفید کاغذ گلیز عہ/ سفید کاغذ رف عہ
ششماہی " " عہ " " ۱۲ر

برقی پریس ساھے کمپنی مراد آباد

فی پرچہ ۳ر
نمونہ مفت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ قائد مراد آباد

شرح چندہ
سالانہ عہ
ششماہی ۱۲ر

ممالک غیر سے
سالانہ
۴ شلنگ

ترسیل زر کا پتہ
(مولانا حکیم) انظار احمد مدیر انتظامی - فیلخانہ مراد آباد

جلد (۲) | بابتہ ماہ اکتوبر و نومبر سنہ ۳۹ء مطابق رمضان و شوال سنہ ۵۸ھ | نمبر ۸ و ۹

شذرات

قائد کیوں غیر حاضر رہا؟

ہمدردان قائد" بیچین ہیں۔ ماہ رمضان میں اکتوبر کا قائد" نہیں حاضر ہوا۔ نومبر بھی ختم ہو رہا ہے مگر قائد" ابتک غیر حاضر ہے؟

سبب دو ہیں

پہلا سبب تو کرمفرما احباب کی بے التفاتی۔ غور فرمایئے۔ آپنے اس پورے سال میں کیا ایک بھی خریدار مہیا فرمایا۔ اور پھر دوبارہ غور فرمائیں تو بہت ممکن ہے کہ آپکو یاد آجائے کہ ابتک آپنے اپنا روپیہ بھی ادا نہیں فرمایا۔ بہرحال ب فیصلہ فرمایئے۔ یا خریدار بڑھایئے۔ ورنہ عہ زیادہ فرماکر قیمت عا قرار دیجئے۔ گذشتہ سال قائد کو معاملہ عنہ کا نقصان رہا۔ اگر کرمفرمایان قائد نے اپنے خصوصی الطاف سے قائد" کو اسی طرح نوازا۔ تو پھر قائد" کا خدا حافظ دوسری اور اصل وجہ یہ تھی کہ کوشش اور جد وجہد کے باوجود کاغذ مہیا نہ ہو سکا۔ کاپیاں تیار۔ آرڈر بھی بھیجا گیا مگر عجیب لطیفہ ہوا کہ یہاں سے عرض کیا جا رہا ہے کہ کاغذ جلد بھیجے وہاں سے جواب آرہا ہے کہ کاغذ روانہ کر دیا گیا۔ مگر کاغذ ندارد۔ غرض اس کرشمہ بازی میں اکتوبر ختم ہو گیا اور کاغذ نہ میسر ہوا۔ ۱۵ر نومبر کو کاغذ وصول ہوا۔ تو ضرورت سے کم۔ کیونکہ اب دو ماہ کا پرچہ ساتھ ساتھ چھاپنا تھا۔ بہرحال دعا فرمایئے حالات بہت زیادہ پریشان کن ہیں۔ والسلام۔ محمد میاں عفی عنہ۔

نقد و تبصرہ

اسلام کا اقتصادی نظام

(از حضرت العلامہ الحاج ابو القاسم مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب صدیقی سیوہاروی) صفحات ۴۴۲۔ کتابت طباعت۔ کاغذ نہایت اعلی۔ سائز نہایت موزوں۔ قیمت غیر مجلد عیر۔ ملنے کا پتہ ندوۃ المصنفین قرولباغ دہلی۔ یا کتب خانہ فخریہ۔ امروہیہ گیٹ۔ مراد آباد

اردو زبان میں اپنے موضوع پر سب سے پہلی کتاب ہے، دور حاضر میں اس تصنیف کو مجددانہ خدمت کہا جائے تو غالباً بیجا نہ ہوگا چونکہ احقر کو خود بھی اس موضوع سے کافی دلچسپی ہے اور اس تحقیق و تفتیش میں حضرات فقہاء کرام اور علماء سلف کی تصانیف کی اوراق گردانی کی ہے۔ لہذا احقر نے نہایت شوق سے اول سے آخر تک اس تالیف لطیف کا مطالعہ کیا اور مستفید و محظوظ ہوا الحمد للہ کتاب اپنے مقصد میں بہت کامیاب ہے۔

میرا ارادہ خود بھی اس موضوع پر کچھ لکھنے کا تھا۔ اور متعدد شذرات احقر کے قلم سے لکھے ہوئے رسالہ قائد" میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ مگر زیر بحث کتاب کی معنوی جامعیت۔ قوت استدلال حسن ترتیب، شوکت کلام۔ فصاحت و بلاغت اور جچی تلی عبارت نے احقر کو مرعوب کر دیا۔ بلاشبہ وقت کا اہم فرض ہے کہ ہر مسلمان اور بالخصوص

صدیق نمبر ۱۳۵۹ھ

یعنی

رسالہ قائد کا دوسرا سالنامہ

محرم الحرام سنہ ۵۹ھ میں شائع ہوگا

جس میں صدیق اکبر - سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق

مندرجہ ذیل عنوانات پر خاص اور اہم مضامین ہوں گے

(۱) زندگی مبارک کے حالات
(۲) صدیق اکبر اور استحقاق خلافت
(۳) مرتبہ صدیقیت
(۴) دلائل صدیقیت اور صدیقانہ کارنامے
(۵) خلافت راشدہ کی حقیقت
(۶) سلام میں خلافت اور حکومت
(۷) عہد صدیقی کی فتوحات
(۸) عہد صدیقی کا اقتصادی نظام
(۹) عہد صدیقی کا شرعی نظام
(۱۰) عہد صدیقی کا جنگی نظام

اس نمبر کی عام قیمت ۱۲ر ہوگی - لیکن ان حضرات کی خدمت میں

مفت

پیش کیا جائیگا جو قدیم خریدار ہوں اور اپنا واجب چندہ ۱۵ محرم الحرام سنہ ۵۹ھ تک ادا کر چکے ہوں یا ۱۵ محرم الحرام سنہ ۵۹ھ تک ایک روپیہ بھیجکر اپنا نام جدید خریداروں میں لکھا دیں

ترسیل زر کا پتہ (حکیم) انظار احمد مدیر انتظامی رسالہ قائد فیلخانہ مرادآباد

ہر عربی خواں اور ہر ایک سیاسی مذاق رکھنے والا اس کتاب کا غور سے مطالعہ کرے اور اسکے نقطۂ نظر کی اشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے۔

بہت ممکن ہے کچھ مضامین اجنبی معلوم ہوں۔ مگر اس کا اصلی سبب یہ ہوگا کہ اسلام کی صحیح تعلیم سے خود ہم میں اجنبیت پیدا ہوگئی ہے — بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ (حدیث شریف)

افسوس دور غلامی نے ہمیں اُن کتابوں کے نام سے بھی نا آشنا کر دیا جو خلافت راشدہ کے اقتصادی اور سیاسی نظام کی ترجمانی کرتی ہیں یا جن میں ائمہ مجتہدین نے سیاسیات اور اقتصادیات سے بحث کی ہے۔

کتاب الخراج - یحییٰ بن آدم - کتاب الخراج امام ابو یوسف - کتاب الاموال ابو عبید - بدائع الصنائع - کتاب السیر للامام محمد - حجۃ اللہ البالغہ - الامامۃ والسیاسۃ وغیرہ کے مطالعہ کے بعد یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس تالیف کا ہر ایک مضمون شریعت غرا اور فقہاء اسلام کے نقطۂ نظر کی نہایت سنجیدہ توضیح اور پاکیزہ تعبیر ہے۔

احقر کی مشتاق نگاہ نے اس کتاب میں معنی ملکیت کی توضیح اور تحدید ملکیت کی تشریح وغیرہ چند دیگر اور نہایت اہم مباحث کو بھی تلاش کیا۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ بہر حال پہلی تصنیف میں ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنا مشکل بھی تھا۔ خلاف مصلحت بھی اور موجب طوالت بھی۔

اسوقت ایک مناسب نقشہ علماء ملت کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ جو تقدم کی فضیلت بہر حال حضرت مصنف کیلئے ثابت کریگا

فلو قبل مبکاها بکیت صبابة — بسعدی شفیت النفس قبل التندم
ولکن بکت قبلی فهیّج لی البکا — بکاها فقلت الفضل للمتقدم

فروگذاشت صفحہ ۱۸۲ پر عبارت ہے کہ "غیر مسلم جماعت .... خراج اور جزیہ کے بہت معمولی ٹیکس ادا کرنیکے بعد ہر قسم کے ٹیکسوں سے سبکدوش ہو جاتی ہے" — حضرت مصنف سے سوء ادب کی معافی چاہتے ہوئے احقر اس خیال کے ظاہر کرنے پر مجبور ہے کہ حضرت مصنف کا خیال اس طرف منعطف نہیں ہوا کہ غیر مسلم رعایا پر اموال تجارت میں نصف عشر بھی واجب ہوتا ہے۔ جو اگرچہ مقدار زکوٰۃ سے (جو مسلمان کو دینی پڑتی ہے) دوگنا ہوتا ہے۔ مگر چونکہ یہ عشر غیر مسلم کے صرف تجارتی اموال پر واجب ہوتا ہے اور اموال خفیہ (یعنی سونا چاندی وغیرہ نقدی جو گھر میں جمع ہو اور تجارت میں لگی ہوئی نہ ہو) پر واجب نہیں ہوتا۔ برخلاف مسلمان کے کہ اُس کے خفیہ اور ظاہرہ تمام مالوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ضروریات سے فاضل قرض سے فارغ ہو اور سال گذر چکا ہو۔ لہذا مجموعی حیثیت سے مسلمانوں پر ہی رقم زیادہ واجب ہوگی۔ مثلاً ایک لاکھ ہندوؤں کا دس کروڑ سرمایہ ہے جس میں سے دو کروڑ تجارت میں لگا ہوا ہے باقی آٹھ کروڑ کے زیورات وغیرہ ان کے پاس ہیں یا گھروں میں محفوظ ہیں اُنپر صرف تجارت کی دو کروڑ پر نصف عشر یعنی سال بھر میں بیسواں حصہ واجب ہوگا یعنی دس لاکھ روپیہ۔ اور اگر تجارت میں کچھ بھی نہ لگ رہا ہو تو خراج اور جزیہ کے علاوہ اُنپر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ لیکن اگر ایک لاکھ مسلمانوں کے پاس اتنی ہی رقم ہو تو خواہ وہ تجارت کریں یا نہ کریں بہر حال ان کو ہر سال دس کروڑ کا چالیسواں حصہ یعنی پچیس لاکھ روپیہ دینا ہوگا۔ پھر عجیب لطیفہ ہے کہ اگر غیر مسلم اپنا خزانہ جمع کرتا رہے (باقی صفحہ آٹھ پر ملاحظہ ہو)

تعلیمات فرقان

حضرت حق جل مجدہٗ کی آٹھویں صفت

(تکوین ـــــ یا ـــــ خلق)

(از حضرت علامہ مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

(۱) انما امرہ اذا ارادہ شیئاً ۔ جب وہ (حق جل مجدہٗ) کسی چیز کو چاہتے ہیں تو ان کا حکم
ان یقول لہ کن فیکون ۔ ہوتا ہے کُنْ "ہو جا" چنانچہ وہ چیز ہو جاتی ہے

(تشریح) خلق کے معنی ہیں (پیدا کرنا) اسکی دو صورتیں ہیں ایک تو وہ جسکی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ نقل فرمایا گیا ہے۔

انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ ۔ میں تمہارے سامنے پرندے کی شکل مٹی کا (پُتلا) بناتا ہوں
الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا ۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے
باذن اللہ ۔ ع ۱۳ پ ۳ سورہ آل عمران ۔ (واقعی) پرندہ ہو جاتا ہے۔

(۲) لیکن وہ خلق جو حضرت حق جل مجدہ کی مخصوص صفت ہے۔ اسکے معنی ہیں "نیست سے ہست کرنا" معدوم محض کو موجود کر دینا۔ اسی مفہوم کی دوسری تعبیر تکوین ہے یعنی کسی شے کو کون اور ہست کا جامہ پہنانا یہاں نہ کوئی مادہ ہے۔ نہ اس کا کسی قسم کا وجود۔

صرف علم الٰہی ہے جو تمام ہونیوالی چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ دانائے کل اور علیم و بصیر اُسی علمی چیز کو حکم فرماتا ہے۔ کن۔ عدم سے وجود میں آجا۔ چنانچہ وہ چیز فوراً عدم سے وجود میں آجاتی ہے۔ دوسری آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے

(۳) وخلق کل شی وھو بکل شی علیم ۔ ہر چیز کو پیدا کیا۔ درانحالیکہ وہ ہر چیز سے واقف ہے
۱۹۶ ۔ پ ۷ سورہ انعام

حضرت حق ہر چیز کو مخصوص انداز سے پیدا فرماتے ہیں

(۴) انا کل شی خلقناہ بقدر ۔ ہم نے ہر چیز کو ایک انداز سے پیدا کیا۔
(۶ ۔ ۱۰ ۔ پ ۲۷ ۔ سورہ قمر)
کل شی عندہ بمقدار ۔ اس کے ہاں ہر چیز خاص انداز سے ہے۔
ان ربک یخلق مایشاء ۔ ویختار
(ع ۔ پ ۔)

صفات الٰہیہ کی دوسری قسم

صفات افعال یا فروعی صفات

اس قسم کی صفات کی کوئی انتہا نہیں - ارشاد ربانی ہے

کل یوم ھو فی شان — ہر دن اس کی نرالی شان ہے -

باری تعالیٰ عزوجل کے ۹۹ ننانوے نام اسی قسم کی صفات سے ماخوذ ہیں -

مثلاً رب العلمین - تمام جہانوں کا پالنے والا - رحمٰن - بہت رحم کرنیوالا - رحیم - بڑا مہربان - مُصوّر

ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء — وہی ہے جو رحم مادر میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے -

مُعِزّ ــــــ عزت دینے والا — مذل ــــــ ذلت دینے والا

تعز من تشاء و تذل من تشاء — جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جسکو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے

حکومت بخشتا ہے اور چھین لیتا ہے

تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء — جس کو چاہتا ہے - ملک بخشتا ہے - اور جس سے چاہتا ہے ملک نکال لیتا ہے -

مجیب

اجیب دعوۃ الداع اذا دعان — جب پکارنیوالا مجھکو پکارتا ہے تو اسکو جواب دیتا ہوں

قرآن پاک اس قسم کی صفات کے بیان سے پر ہے - واللہ اعلم بالصواب

شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ نور ہیں

لقد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین (پ ۶ ع ۳ سورہ مائدہ) — تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور آیا اور کھول کر بیان کرنے والی کتاب -

آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین پ ۲۲ ع ۵ - سورہ احزاب — محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں آخری نبی -

بعثت محمدی کا مقصد

(الف) وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (پ ۱۷ - ع ۷ - سورہ انبیاء) — ہم نے آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ مہربانی ہو تمام جہانوں پر

(ب) لقد من اللہ علی المومنین اذ	بیشک احسان فرمایا خدا نے مومنین پر جبکہ بھیجا ان میں
بعث فیھم رسولا من انفسھم	رسول انہیں میں کا جو پڑھتا ہے انکے سامنے اسکی آیتیں
یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم	اور انکو سنوارتا ہے اور انکو کتاب اور دانائی سکھاتا ہے
الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل	اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے
لفی ضلال مبین	

(ج) یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا	اے نبی ہم نے آپ کو بھیجا بتانیوالا۔ خوشخبری سنانے
مبشرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا	والا۔ اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم
منیرا۔ پ ۲۲ ع ۶ سورہ احزاب)	سے۔ اور روشن چراغ بناکر۔

آپ رؤف ورحیم ہیں

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز	آیا تمہارے پاس رسول تم میں کا بھاری ہے اسپر جو تمکو
علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین	تکلیف پہنچے۔ حریص ہے تمہاری بھلائی پر۔ ایمان والوں
رؤف رحیم (پ ۱۱- ۱۶- سورہ توبہ	پر رؤف (نہایت شفیق) رحیم (مہربان) ہے۔

آپ کی تعلیم خداوندی تعلیم ہے

ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی	جو کچھ آپ فرماتے ہیں من جانب اللہ ہے۔ اپنی خواہش
یوحی پ ۲۷ ع ۱- سورہ نجم۔	کی کوئی بات نہیں ہوتی ہے۔

آپ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ	جس نے رسول کا حکم مانا۔ بلاشبہ اس نے خدا کا
(پ ۵- ۶- ۱۱- سورہ نساء)	حکم مانا۔

آپ کی اتباع خدا کی محبت اور عشق مولا ہے

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی	فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری
یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم	اتباع کرو خدا تم سے محبت فرمائیگا۔ تمہارے گناہ
واللہ غفور رحیم (پ ۳ ع ۶- آل عمران)	بخشدے گا۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔

ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان سے زیادہ عزیز ہونی چاہیے

النبی اولی بالمومنین من انفسھم و	نبی سے زیادہ تعلق ہے مسلمانوں کو اپنی جانوں کی بنسبت
ازواجہ امھاتھم (سورہ احزاب پ ۲۱ ع ۱۶	اور آپ کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

اتباع سنت کمال ایمان ہے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ	تم لوگوں کیلئے مفید ہے سیکھنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرا (ع ۳ پ ۲۱ - سورہ احزاب)

کی چال۔ یعنی ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اللہ سے اور روز قیامت سے اور یاد کرتے ہیں خدا کو بہت زیادہ۔

(یعنی صرف عوام کے لئے نہیں بلکہ خصوصیت سے اولیاء اللہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنا ضروری ہے)

اتباع سنت کے بغیر ہر چیز بیکار ہے

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و لا تبطلوا اعمالکم۔

حکم پر چلو اللہ کے اور حکم پر چلو رسول کے اور مت ضائع کرو اپنے اعمال

اتباع سنت کا ثمرہ

ومن یطع اللہ و الرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا ذالک الفضل من اللہ وکفی باللہ علیما (ع ۹ - سورہ نساء پ ۵)

جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور حکم مانے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر انعام کیا اللہ نے (یعنی) انبیاء۔ صدیقین شہدا اور صالحین۔ اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔ یہ فضل ہے خدا کا۔ اور خدا کافی ہے جاننے والا۔

تمام عقلی یا باہمی اختلافات اور فیصلوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ مقدم ہے

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (پ ۵ ع ۹ سورہ نساء)

سو قسم ہے تیرے رب کی کہ وہ ایماندار نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ہی کو منصف قرار دیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے۔ پھر نہ پاویں اپنے نفس میں تنگی آپ کے فیصلہ سے اور قبول کرلیں خوشی سے۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا (پ ۲۲ ع ۵ - سورہ احزاب)

اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا نہ کسی ایماندار عورت کا (جبکہ مقرر کردے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام) یہ کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا۔ اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی سو وہ بھولا کھلم کھلا

(بقیہ صفحہ ۴)

تو اس سے کچھ بھی مطالبہ نہیں۔ لیکن سلمان کا سارا خزانہ چالیس سال میں فقراء اور مساکین کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

بہر حال اس فروگذاشت کے سوا راحقر کے علم میں کتاب بے نظیر فقہی لحاظ سے غیر قابل گرفت اور مستند ہے۔ خداوند عالم مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ندوۃ المصنفین کی خدمات مقبول ہوں اور مسلمان نفع اندوز ہوں۔ محمد میاں

ترجمہ تفسیر ابن کثیر

(از حضرت علامہ مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد)

بسم اللہ کہاں کہاں مستحب ہے پہلے گذرا کہ ہر ایک کام اور ہر ایک قول کے شروع میں بسم اللہ مستحب ہے۔ چنانچہ خطبہ کے شروع میں بسم اللہ مستحب ہے۔ کیونکہ وارد ہوا ہے کہ جو کام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بغیر شروع کیا جائے۔ وہ اجذم ہے بے برکت ہے۔

(۱) نیز پاخانہ میں جاتے ہوئے بسم اللہ مستحب ہے کیونکہ اس سلسلہ میں بھی[1] حدیث وارد ہوئی ہے

(۲) وضو کے شروع میں بھی بسم اللہ مستحب ہے۔ چنانچہ مسند امام احمد میں حضرت ابو ہریرہ۔ حضرت سعید بن زید اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہم سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ

لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ ۔ وضو کرتے وقت جو اللہ کا نام نہ لے اُس کی وضو نہیں۔

اس حدیث کی بنا پر کچھ علمار نے وضو کے شروع میں بسم اللہ کو واجب کہا ہے۔ بشرطیکہ یاد آجائے۔ اور بعض علما نے یاد کی قید نہیں لگائی۔ بہر صورت واجب قرار دیا ہے۔

(۳) جانور ذبح کرنے کے وقت امام شافعیؒ اور علمار کی ایک جماعت کے نزدیک بسم اللہ مستحب ہے۔ علمار کرام کی دوسری جماعت نے بشرط یاد۔ بسم اللہ کو واجب کہا ہے (یعنی اگر بسم اللہ کہنے کا خیال نہ رہے تو معاف ہے اگر جان بوجھ کر چھوڑ دے تو ذبیحہ ناجائز اور حرام ہو جائیگا[2]

علمار کی تیسری جماعت نے مطلقاً واجب کہا ہے۔ یعنی ذبح کے وقت بہر صورت بسم اللہ کہنا واجب ہے اگر بھول کر یا قصداً چھوڑ دے گا تو ذبیحہ جائز نہ ہوگا۔ (تفصیل انشاء اللہ آئندہ اپنے موقعہ پر آئے گی)

امام رازی رحمۃ اللہ نے اپنی تفسیر میں بسم اللہ کی فضیلت میں چند حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔ ان میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ ایک حدیث یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب تم مجامعت کرنا چاہو تو اللہ کا نام لے لو۔ کیونکہ اگر اس کے بعد بچہ پیدا ہوا تو اس کے سانسوں اور اسکی اولاد کی سانسوں کی برابر تمہارے لیے نیکیاں لکھی جائیں گی۔

مگر یہ حدیث بے اصل ہے۔ میں نے کسی بھی معتبر یا غیر معتبر کتاب میں نہیں دیکھی۔

(۴) کھانے کے وقت بھی بسم اللہ مستحب ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربیب حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا

---

[1] ترمذی شریف کی حدیث میں پاخانہ میں جاتے وقت اس دعا کی تعلیم فرمائی گئی ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ [2] امام اعظم رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے۔

بسم اللہ کہو۔ اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اور اپنی طرف سے کھاؤ۔

کچھ علما نے کھانے کے وقت بسم اللہ کو واجب قرار دیا ہے۔

(۵) جماع کے وقت بھی اللہ مستحب ہے۔ چنانچہ بخاری شریف و مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اگر کوئی مسلمان ارادۂ مجامعت کے وقت مندرجہ ذیل دعا پڑھ لے تو اگر اس کے بچہ ہوگا تو اس کو شیطان نہیں نقصان پہنچا سکے گا۔ (آسیب سے محفوظ رہے گا۔ واللہ اعلم)

دعا یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔

نحوی ترکیب نحوی ترکیب کے لحاظ سے سوال ہوتا ہے۔ کہ لفظ بسم اللہ کا متعلق جو مقدر مانا جائیگا وہ اسم ہے یا فعل۔

مگر جب کہ مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوگیا۔ کہ بسم اللہ مختلف حالات اور مختلف مقامات پر مستحب ہوتی ہے۔ تو یہ سمجھنا بھی دشوار نہ رہا۔ کہ اسم یا فعل کو مقدر مان لینا تقریبًا ایک ہی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن پاک میں دونوں کی نظیریں ملتی ہیں ـــــ جو صاحب فرماتے ہیں کہ اسم مقدر ہوتا ہے۔ اُن کے نزدیک اصل عبارت اسطرح ہوگی۔ بِسْمِ اللہِ اِبْتِدَائِی۔ ان کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىھَا وَمُرْسٰھَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

دوسرے حضرات جو تقدیر میں فعل کے قائل ہیں۔ وہ۔ باختلاف اقوال امر یا خبر کو مقدر مان کر اصل عبارت اس طرح قرار دیتے ہیں کہ اَبْدَأُ بِاسْمِ اللّٰہِ یا اِبْتَدَأْتُ بِاسْمِ اللّٰہِ۔ اُن کی دلیل آیۂ کریمہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ ہے۔

بہرحال دونوں قول صحیح ہیں۔ کیونکہ فعل کا ماخذ لامحالہ مصدر ہوتا ہی ہے۔

ہاں آپکو حق ہے کہ آپ فعل اور مصدر دونوں مقدر مان لیں۔ مثلاً فعل تو ابتدا کا مقدر مانا جائے یعنی ابتدات یا ابدأ مقدر مانا جائے۔ اس کے بعد جو کام آپ کر رہے ہیں۔ اس کے بموجب مصدر مقدر مان لیں۔

مثلاً کھڑے ہوتے وقت بسم اللہ کہی جائے تو تقدیر اس طرح ہوگی۔ اَبْدَأُ قِیَامِی بِاسْمِ اللّٰہِ یا اِبْتَدَأْتُ قِیَامِی بِاسْمِ اللّٰہِ۔

علیٰ ہذا:- اکل و شرب۔ قرأت۔ وضو۔ صلوٰۃ وغیرہ وغیرہ کو اسی پر قیاس کر لیجئے۔ بہرحال حکم شریعت یہ ہے کہ شروع میں اللہ کا نام لیا جائے۔ تاکہ برکت ہو۔ اور کام کی تکمیل کے لئے خدا سے مدد مانگی جائے تاکہ اس کی طرف توجہ اور رجوع ثابت ہو جائے۔ چنانچہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کی - کہ فرمایئے
استعیذ باللہ من الشیطان الرجیم - پھر حضرت جبرئیل نے کہا فرمایئے - بسم اللہ
الرحمن الرحیم -

ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس فرمائش کا مقصد یہ تھا کہ پڑھنا ، اُٹھنا بیٹھنا غرض ہر کام اللہ کا نام لیکر ہونا چاہیئے - واللہ اعلم

کم از کم پانچ روپیہ کتابوں کے خریدار سے ۱۵ ذیقعدہ ۵۸ھ تک محصول ڈاک معاف

علمی موتیوں کی بکھیر

نام کتب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	نام کتب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی	نام کتب	قیمت اصلی	قیمت رعایتی
اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ	عہ	سعہ	فتاوی عالمگیری (اردو)	صعہ	غہ	فیصلہ مقدمہ بھاولپور	عہ	١٢ر
مذاق العارفین (ترجمہ احیاء العلوم)	مہ	سعہ	فتاوی مولانا عبدالحی صاحب	للعہ ٨ر	ے ٤ر	باورچی خانہ جدید	٦ر	۵ر
درایہ فی تخریج احادیث ہدایہ	ے ٨ر	ے	فتاوی رشیدیہ	عا ٤ر	عہ ١٢ر	فلسفہ تعلیم الاسلام	ے	عا ٤ر
خیر المجالس	صہ	للعہ	عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں	عہ ٤ر	عہ	فیض الستار ترجمہ کتاب الآثار	عا ٤ر	عہ ١٢ر
اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک	دعہ ١٢ر	عہ	فتاوی محمدی	١٠ر	٨ر	قدوری (عربی)	عہر ٨ر	عہ ٢ر
بیضاوی شریف تا درس	عا ٤ر	عہ ١٢ر	ایضاح الادلہ قسم اول	عا ٨ر	عا	نظام تجارت	٨ر	٦ر
سوانح حیات ابوذر غفاری رض	عہ	١٠ر	" قسم دوم	عا	عہر ٨ر	قصص الانبیاء کلاں	عہ ٤ر	عہ
سائنس جدید اور اسلام			بہشتی زیور مدلل عمدہ کاغذ	ے	للعہ ٨ر	اتالیق نسواں	۵ر	٤ر
از مولانا اشرف علی صاحب	عا	عہر ٨ر	" غیر مدلل	عا	عہر ٤ر	مفید الوارثین	عہر ٤ر	۵ر
نصیحۃ الشیعہ سہ حصہ مکمل	عا	عہر	تاریخ اسلام مصنفہ			نشر الطیب	عہر ٨ر	عہ ٢ر
شرح مسلم ملا حسن	عہ	١٢ر	مولانا محمد میاں صاحب دوم	١٢ر		نبراس شرح عقائد نسفی	ے	صہ
غایۃ الاوطار ترجمہ اردو			" سوم	٦ر		کیمیائے سعادت	ے ٤ر	عا ١٢ر
درمختار	عہ	سعہ	دروس التاریخ الاسلامی			آئینہ حقیقت نما جلد اول	عا ٤ر	عہر ١٢ر
غیاث اللغات	ے	للعہ	مکمل ۵ حصے	عا ١٢ر	عا	مقدمہ تاریخ ہند	عہر	عہر
فتاوی عالمگیری (عربی)	دعہ	عہ	ایضاح شرح مائۃ عامل	١٠ر	٨ر	شیطان کا نفرنس	۵ر	٤ر

کتب خانہ فخریہ شاہی کمپنی امروہیہ گیٹ مراد آباد

اسلام اور آئین حکومت

خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم کا

طرز زندگی ۔۔۔۔۔۔ آمدنی اور خرچ

آج دنیا نے عجیب تماشا دیکھا۔ ایک کچے چبوترے پر کھجور کی پتیوں کے چھپر کے نیچے مدینہ طیبہ کے انصار اور مہاجرین جمع ہوئے۔ گویا اسلامی حکومت کے اراکین۔ یا پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔

آج رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتاب رحمت دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ مدینہ کے در و دیوار پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ عاشقوں کی نگاہ میں دنیا تاریک ہے۔ ہر ایک چیز پر اداسی برس رہی ہے مگر خطرہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پاکر کوئی غنیم حملہ نہ کر بیٹھے۔ یا کوئی اندرونی قضیہ نہ پیدا ہو جائے جس کا سلجھانا امام کے بغیر ممکن نہ ہو۔ اور اس سے مقدم یہ کہ نماز جمعہ اور دیگر اسلامی ضروریات کی تکمیل کس طرح ہو جس کے لئے امام اور خلیفہ کی شدید ضرورت ہے۔

ان ضرورتوں نے دولت اسلامیہ کے مقدس اراکین کو فقیر نما امیروں اور فاقہ مست اغنیا کو شکستہ حال فاتحین کو انقلاب دنیا کے پاکباز اماموں کو کسی خلیفہ کے انتخاب کے لئے اس جگہ جمع کیا ہے۔

ضروری گفتگو ہوئی۔ چند تجویزیں پیش ہوئیں۔ چند نام پیش کئے گئے۔ مگر حاضرین کے اتفاق رائے نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام منتخب کر لیا (متصل مباحث انشاء اللہ رسالہ قائد کے دوسرے سالانامہ میں ملاحظہ فرمائیں)

کل شام خلافت صدیقی کا اعلان ہو چکا ہے۔ عجم کے بسنے والے۔ روم اور فارس کے زر پرست۔ شہرت اور جاہ کے بھوکے۔ غریبوں کی گاڑھی کمائی کو اپنی عیش و طرب میں اڑانے والے۔ شراب و کباب کے متوالے۔ عصمت اور حیا کو سفلی خواہشات کے قدموں میں پامال کرنے والے۔ یہی قیاس کر سکتے تھے کہ حجاز و عرب کا خلیفہ جو جنگ تبوک میں شہنشاہ روم کے مقابلہ پر بھی آدھمکا تھا۔ آج نہ معلوم کس آن بان اور کس سج دھج سے سریر خلافت پر جلوہ فرما ہوگا۔ نقیبوں اور چوبداروں کے پرے ایوان خلافت کو گھیرے ہوئے ہوں گے۔ وزرا تخت خلافت کو بوسہ دیں گے۔ سفرا نذرانے پیش کریں گے۔

مگر دنیا حیرت زدہ ہوگی۔ جب عجمی قیاسات کے برخلاف حجاز و عرب کے خلیفہ کو دیکھا کہ وہ چند چادریں ہاتھ پر ڈالے ہوئے اور کپڑا ناپنے کا گز ہاتھ میں لئے ہوئے بازار کی طرف بیچنے کے لئے جا رہا ہے۔

کمبل کا ایک کرتا بدن پر ہے جس پر کئی جگہ پیوند لگا ہوا ہے۔ پیروں میں چپل ضرور ہے۔ مگر گھٹا ہوا۔ اور جگہ جگہ کنکیاں لگی ہوئی۔ عجیب اتفاق تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سامنے آگئے[1]

[1] ماخوذ از "الامامۃ والسیاسۃ" لابن قتیبہ صفحہ ۱ و تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲

فاروق اعظم۔ خلیفہ رسول اللہ۔ کہاں کو۔ صدیق اکبر۔ بازار

فاروق اعظم۔ کیوں صدیق اکبر کپڑا بیچوں گا۔

فاروق اعظم اور کاروبار خلافت کا کیا ہوگا صدیق اکبر اور میرے بچے کہاں سے کھائیں گے

سبحان اللہ۔ یہ ہے ملوکیت سے نفرت۔ یہ ہے سچا اسلام۔ یہ ہے وہ مقدس مذہب۔ جسکی خواب بھی آج سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو سچا مسلمان بنا سکتی ہے۔ بشرطیکہ ان کے دلوں پر گمراہی کی مُہر نہ لگ گئی ہو۔ یعنی خلافت اور اُس کے فرائض کی انجام دہی، صدیق اکبر کے نزدیک محض اعزازی منصب ہے۔ جو متولی وقف کی طرح بلامعاوضہ ہونا چاہیے۔ اے کاش مسلمان خود بھی سمجھیں کہ وہ کس قدر خود فراموش ہیں۔ بہرحال حضرت فاروق اعظم نے عرض کیا کہ یا خلیفہ رسول اللہ آپ واپس تشریف لے چلیے۔ ارکان شوریٰ کو میں طلب کرکے آپ کی ضروریات کے متعلق کوئی فیصلہ کراتا ہوں۔

وہی چھپر کی مسجد جس کا فرش کچا تھا جس کے اوپر کھجور کی پتیوں کا چھپر تھا جس کی دیواریں ان گھڑت پتھروں سے تعمیر کردی گئی تھیں اور بیچ میں جگہ جگہ کھجور کے کھمبے لگا دیئے گئے جو رحمۃ للعالمین سید الکونین صلے اللہ علیہ وسلم کا دربار تھا جسکو دنیاوی زیبائش تو کچھ بھی حاصل نہ تھی مگر ایک شرف اسکو حاصل تھا جس کی بنا پر وہ عرش معلے سے مقابلے کے لئے آمادہ ہوجاتی تھی کہ خود رحمۃ للعالمین محبوب رب العالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی تعمیر کے وقت پتھر ڈھوئے اور تعمیر کرنے میں حصہ لیا تھا۔ وہی مسجد مقدس۔ ایوان خلافت ہے۔

خلافت راشدہ کے وزیر مالیات حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ہیں جنکو لسان رسالت "امین ہذہ الامۃ" کا خطاب دے چکی ہے ـــــ وزیر اعظم اور وزیر مال اور دیگر اراکین شوریٰ کا مشورہ ہوتا ہے اور طے کیا جاتا ہے کہ صدیق اکبر کی بالغ اولاد جو الگ رہتی ہے اور اپنی ذمہ دار خود ہے۔ اسکی حیثیت ایک مسلمان کی ہے۔ تمام مسلمانوں کی طرح اسکو بھی بیت المال سے وظیفہ دیا جائیگا۔ البتہ جنکا نفقہ خلیفہ پر لازم ہے۔ ان کے لئے متوسط حیثیت کا وظیفہ مقرر کیا جائیگا۔ چنانچہ نصف بکری یومیہ۔ رزق مقرر کیا گیا۔ اور جاڑے اور گرمی کا لباس۔ اس طرح کہ جب ایک جوڑا پھٹ جائے تو دوسرا لیا جائے ـــــ ان تمام مصارف کے لیے سالانہ دو ہزار درہم یعنی تقریباً چار سو روپیہ سال مقرر کیا گیا۔ جب ضرورتیں بڑھنے لگیں تو حضرت صدیق نے زیادتی کی فرمائش کی۔ چنانچہ ڈھائی ہزار درہم سالانہ یعنی تقریباً پینتالیس روپیہ ماہوار مقرر کر دیا گیا۔ (الامامۃ والسیاسۃ و تاریخ الخلفاء)

وظیفہ خلیفہ کی حیثیت قرآن پاک میں مال یتیم کے کھانے کو آگ کا کھانا قرار دیا گیا ہے۔ البتہ اگر اُس کا نگراں "وصی" ضرورتمند ہو تو مناسب مقدار میں کھانے پینے کی ضرورتوں کے لیے مال یتیم میں سے لے سکتا ہے۔ جمع کرنا حرام ہے۔

ارشاد ربانی ہے:۔ ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف (سورہ نساء ۱۶) جو (متولی یتیم) غنی اور آسودہ ہو۔ وہ بچتا رہے اور (متولی) محتاج ہو وہ کھائے دستور کے بموجب۔

پھر ارشاد ہوا۔ ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا (نساء ۱۶) جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ کھانا نہیں بلکہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب دوزخ میں داخل ہونگے

عام لوگوں سے معاملات اوران کے اموال کے متعلق ارشاد ربانی ہے

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون

نہ کھاؤ ایکدوسرے کے مال آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ اُن کو حاکموں تک تاکہ کھاجاؤ کاٹ کر لوگوں کے مال میں سے گناہ اور اور ظلم کے طور پر دانستہ اور جانتے ہوئے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام نے مال خلافت کو بھی اسی حیثیت میں رکھا۔ چنانچہ آپ کا ارشاد تھا۔

انی لاخشیٰ ان لا یحل لی من فی المسلمین[1] مجھے خطرہ ہے کہ مسلمانوں کی آمدنی میں سے مجھے لینا جائز نہیں۔

اس وقت اگرچہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے ملکر وظیفہ مقرر کرایا۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اس ضرورت سے منظور کر لیا کہ امور خلافت میں مشغول ہوجانے کے بعد آپ کا ذریعہ معاش بند ہوگیا تھا۔ مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ نظریہ آخر تک باقی رہا اور آپنے جو کچھ خرچ کیا وہ قرض کی حیثیت سے۔ چنانچہ مرض الوفات میں آپنے فرمایا۔ دیکھو! میرے اوپر کتنا خرچ ہوا ہے — عرض کیا گیا آٹھ ہزار درہم۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے وارثوں کو وصیت فرمائی کہ پہلے یہ آٹھ ہزار درہم خلافت کے ادا کردیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہ کو وصیت فرمائی۔

ہمارے پاس بیت المال کی ایک اونٹنی ہے۔ جس کا ہم دودھ پیا کرتے تھے۔ ایک طشت ہے جس میں ہم رنگا کرتے تھے۔ ایک چادر ہے جس کو میں اوڑھا کرتا تھا۔ میں زمانہ خلافت میں جب کہ مسلمانوں کے کام میں مشغول رہتا تھا۔ ان چیزوں سے کام لیا کرتا۔ لہٰذا جب میں مرجاؤں تو ان چیزوں کو واپس کردینا — چنانچہ سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے بعد ان چیزوں کو خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجدیا۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فرمایا۔

ابوبکر پر خدا کی رحمتیں ہوں۔ انھوں نے اپنے بعد کے خلفاء کے لئے بہت دشواری کردی۔

آپ نے دیکھا۔ یہ ہے ادا امانت۔ جس کے متعلق ارشاد ربانی ہے

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔

خداوند عالم تم کو حکم فرماتا ہے کہ امانتیں اُن کے اہل اور مستحقین کو ادا کرتے رہو۔ اور فیصلہ کے وقت انصاف کرو۔

خلیفہ دوم خلیفہ اول کی وفات ہوئی۔ خلیفہ دوم مسند آرائے خلافت ہوئے تو ان کے سامنے دو سنتیں تھیں۔ ایک سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت دوسرے خلیفہ برحق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت۔ ان دونوں ہی پرکاربند تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک نصیحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے طرز زندگی پر روشنی ڈالتی ہے جب حضرت فاروق منصب خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا

ان اردت ان تلحق صاحبک فارقع القمیص ونکس الازار واخصف النعل وارقع الخف

اگر تم چاہتے ہو کہ اپنے ساتھی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) سے ملو۔ تو کرتہ میں پیوند لگاؤ ازار (تہ بند) کو کھونس

وقصر الامل وکل دون الشبع -	سے چڑھائے رکھو۔ چپل کو خود سے سیو۔ ٹلے پر ٹلا
(کتاب الخروج للامام ابی یوسف ص۱۵)	چڑھاؤ۔ موزوں پر ٹکیاں لگاؤ۔ آرزوں کو کم کرو۔ پیٹ
	بھر کر کھانا مت کھاؤ۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مقدس زندگی شاہد ہے کہ آپ کا یہی عمل رہا۔ آپکی سیرت مقدسہ کے سیکڑوں واقعات شاہد ہیں کہ آپ ایک عام مسلمان سے زیادہ اپنی حیثیت نہیں سمجھتے تھے۔ البتہ ذمہ دار اتنا کہ تمام رعیت کی تکلیف گویا آپ کی تکلیف تھی۔ آپکی تمنا تھی کہ سارے ملک میں کسی کو فاقہ نہ ہو۔ اگر کوئی بھوکا ہوتا تو آپکے لئے کھانا حرام ہو جاتا جب تک اس کا پیٹ نہ بھر جاتا۔ آپ کا نظریہ یہ تھا

انی قاسم مسئول۔ میں تقسیم کرنے والا ہوں جسکو قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں جواب دینا ہے۔

آپ کا وظیفہ ابتداءً وہی رہا جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ لیکن جب عراق فتح ہو گیا۔ اور اس کی تمام اراضی بحق بیت المال نقصان لی گئی یعنی حکومت کو اس کا مالک قرار دیا گیا۔ تو اس کی آمدنی میں سے آپنے حسب ذیل وظائف مقرر کئے

ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے لئے	بارہ ہزار درہم سالانہ - یعنی تقریبًا پونے تین ہزار روپیہ سالانہ	
جو حضرات جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے اُن میں سے ہر ایک کیلئے	پانچ ہزار درہم سالانہ یعنی تقریبًا گیارہ سو روپیہ سال۔	

جو حضرات اسلام میں مقدم تھے مگر غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے ان میں سے ہر ایک کو چار ہزار درہم سالانہ

عام مہاجریں اور انصار کی اولاد کو۔ دو ہزار درہم۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو	بارہ ہزار درہم سالانہ	حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو	پانچ ہزار درہم سالانہ
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو	پانچ ہزار درہم سالانہ	حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو	چار ہزار درہم سالانہ

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ کا نام حضرت عبداللہ تھا۔ جو اپنے تقوے اور علم و فضل میں مشہور تھے۔ اتباع سنت کا بے نظیر شوق تھا۔ حب رسول کا اعلیٰ شرف حاصل تھا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے تین ہزار درہم سالانہ مقرر فرمائے — حضرت عبداللہ نے عرض کیا۔ ابا جان۔ آپ نے جناب اسامہ کو چار ہزار درہم سالانہ مقرر فرمائے تو میرے وظیفہ میں ایک ہزار کی کمی کیوں کر دی۔ حالانکہ میری اور حضرت اسامہ کی نیز میرے باپ (فاروق اعظم) اور حضرت اسامہ کی حیثیت ایک ہی ہے

فاروق اعظم نے جواب دیا۔ اسامہ تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا۔ اور اس کے باپ تمہارے باپ سے زیادہ بارگاہ رسالت میں منظور نظر تھے۔

مگر وظائف کے اجراء میں جو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا نظریہ تھا۔ وہ آپ کے خطبہ خلافت سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

انما انا وما لکم کولی الیتیم ان استغنیت استعففت	میری حیثیت تمہارے مالوں کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے
وان افتقرت اکلت بالمعروف۔ لکم علی ایہا الناس	جیسے یتیم کے ولی کی۔ اگر مجھکو ضرورت نہ ہو تو تمہارے

خصال فخذ دنی بہا۔ لکم علی ان لا اجتبی شیئا من خراجکم۔ ولا مما افاء اللہ علیکم الا من وجہہ ولکم علی اذا وقع فی یدی ان لا یخرج منی الا فی حقہ

مال سے دامن پاک رکھوں گا۔ اور اگر میں محتاج ہوں تو اتنی خوراک لیلونگا جسکو عام طور سے مناسب تصور کیا جائے۔ اے لوگو آپ کی مجھپر چند ذمہ داریاں ہیں ان کے متعلق میری گرفت کرتے رہو۔ اور میرے اوپر تمہارا حق ہے کہ میں تمہارے خراج اور اُن اموال میں سے جو بطور غنیمت تمکو ملیں صرف اتنا ہی لوں جتنا واجب ہو نیز میرے اوپر تمہارا حق ہے کہ جو مال میرے ہاتھ میں پہنچ جائے اسکو صرف اسکے موقعہ اور محل ہی صرف کردوں

ان الفاظ کو بار بار پڑھئے اور اسلامی نظام حکومت کا نقشہ دل میں جما لیجئے (محمد میاں عفی عنہ

خاص موقع

بہت سے نادار طلبہ رسالہ کی درخواست کرتے ہیں مگر افسوس کہ ابتک دفتر قائد میں کوئی ایسی مد نہیں ہے کہ ایسے طلبہ کو رسالہ مفت روانہ کیا جا سکے۔ رمضان المبارک کا یہ خاص موقع ہے جس میں اہل خیر حضرات اپنی نیک کمائی دیگر نیک کاموں پر صرف کرتے ہیں ان تشنگان علم نادار طلبہ کے نام رسالہ بھی جاری کرائیں۔ ایسے حضرات کے اسماء گرامی اس لئے رسالہ میں شائع کئے جائیں گے کہ طلبہ اپنے محسنوں کے حق میں دعا کریں۔

بسلسلہ اصحاب صفہ

مقبولان بارگاہ کی مقدس جماعت

(از مولانا محمد شفیع صاحب سہسرامی)

خزاں رسید و گلستاں بآں جہاں نماند　　　سماع بلبل شوریدہ رفت و حال نماند
نشان لالہ ایں باغ از کہ می پرسی　　　برو کہ آنچہ تو دیدی بجز خیال نماند

گذشتہ اشاعتوں میں اصحاب صفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات جو کچھ لکھے گئے اُن سے مبصرین نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ اس مقدس جماعت نے کس انہماک اور شوق کے ساتھ تحصیل علم معرفت میں اپنے اوقات صرف کئے ہیں۔ نیز اُن کی زندگی کا ہر لمحہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف تھا۔ ہمہ وقت دین الٰہی کی نشر و اشاعت میں سرگرم نظر آتے تھے۔ ملک و ملت کی خاطر کونسی بازی تھی جو ان حضرات نے نہیں لگائی۔ اس مختصر میں میں نے انہیں دو پہلوؤں کو اختیار کیا تھا۔ اگرچہ اسباب نہونے کی وجہ سے اس مقدس جماعت کے پورے اوصاف و محامد قلمبند نہو سکے۔ تاہم جستہ جستہ جو کچھ لکھدئے گئے ہیں وہ اس متبرک جماعت کے تعارف کے لئے بہت کافی ہیں مجھے امید ہے کہ اگر ہمارے نونہالان علم غور سے مطالعہ فرمائیں گے تو ان کی زندگی کے لئے یہ حالات شمع راہ ہوں گے۔ مقام کی مناسبت سے اگر میں اپنے عربی طلبہ سے شکایت کروں تو بیجا نہ ہوگا کہ آج جبکہ دین و بیدینی میں آئینی جنگ ہو رہی ہے۔ ہر چہار طرف سے دہریت و الحاد کا حملہ اسلام اور اس کے احکام پر ہو رہا ہے اور اس کا ہر طبقہ فرزندان اسلام کے مقابلہ میں برسر پیکار ہے ان کے ترکش جو تیر نکلتا ہے اسکی زد اسلام پر پڑتی ہے۔ کفر و الحاد کی نشر و اشاعت کے لئے صدہا مقررین و اہل قلم پیدا ہو گئے ہیں مختصر یہ کہ شیطانی و طاغوتی طاقتوں کو ہر طرح عروج و ترقی ہے۔ ایسے نازک دور میں تحصیل علم و معرفت کیجانب سے آپکا تقاعد بلکہ تائی قابل افسوس ہے مطالعہ کا شوق تقریباً ختم ہو گیا ہے۔ امام رازیؒ کی جلالت شان سے آپ واقف ہیں امام کو اس امر کا افسوس تھا کہ کھانا کھانے کا وقت علمی مشاغل سے کیوں خالی جاتا ہے۔ آپکا ارشاد ہے

واللہ انی اتاسف فی الفوات عن الاشتغال بالعلم فی وقت الاکل فان الزمان والوقت عزیز۔

دربزم وصال تو بہنگام تماشا　　　نظارہ ز جنبیدن مژگاں گلہ دارد

اسی شوق و تشنگی کا ثمرہ ہے کہ دنیائے علم میں امام کے ممتاز لقب سے یاد کئے جاتے ہیں

ابو العباس ثعلب کی عمر نوے سال سے تجاوز کر گئی ہے جمعہ کی نماز پڑھکر مکان تشریف لیجا رہے ہیں اور راستہ میں کتاب دیکھتے جاتے ہیں مطالعہ میں اس قدر محویت تھی کہ ایک گھوڑے کا دھکا لگا۔ اور اس کے صدمہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگوں نے اٹھا کر مکان پہنچا دیا۔ صدمہ جانکاہ تھا۔ ضعف پیری کے باعث تاب نہ

لا سکے اور اسی حالت میں وفات فرما گئے۔ غور فرمائیے کہ مطالعہ کا کسقدر شوق تھا کہ راستہ چلتے بھی مطالعہ نہ چھوڑا ہے

چہ حالت است نہ دانم جمال سلمیٰ را   کہ بیش دیدنش افزوں کند تماشا را

مطالعہ ہی کی وارفتگی اور شوق سے آپ لغت کے امام کہلاتے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ کی زیارت کا بلا واسطہ تو مجھے شرف حاصل نہوا مگر ثقات کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت موصوف کو باوجود خونی بواسیر کے سخت ترین دورے اور اطبار حذاق کے مشورے کے مطالعہ وکتب بینی کا اس قدر شوق تھا کہ اسکی مثال ہندوستان کے موجودہ علمار میں تقریباً مفقود ہے اسی شوق مطالعہ وکتب بینی کے باعث حضرت شاہ صاحب رح کا تبحر علمی مسلم عند الکل تھا اور کسی شاعر کی زبان ذیل کا شعر کہنے پر مجبور ہو گئی ہے۔

فقد کان اعجاز الدین نبینا   کمثل البخاری او کنجی ابن حنبل

وکان اماما حافظا ومحدثا   الیہ انتھی شد المطایا والرحل

وقد کان فردا حافظا العصر جامعًا   معارف اعلام الھدی والتفضل

اسی قسم کے صدہا واقعات ان حضرات کے جو اصحاب صفہ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے طبقات اور تذکروں کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں انکا بدیدہ عبرت مطالعہ فرمائیے۔ اور دل و دماغ میں علوم وفنون معمور فرما کر قوم وملت کی خدمات کے لئے مستعد ہو جائیے آپ لوگوں کو ملک وملت کی جن خدمات کو انجام دینا ہے اس کے لئے ابھی سے تیاری کرنی لازم ہے۔ اگرچہ موجودہ عصر کے حالات وواقعات سے علمی دنیا میں افسردگی چھاگئی ہے۔ یہانتک کہ خود ہماری زبانوں سے کلمات ناشکر نکلنے لگے اور تقریبًا ہمارے دماغوں میں یہ بات مرکوز ہو چکی ہے کہ ہماری جماعت ملک وقوم کی خدمات کے نااہل ثابت ہو رہی ہے سو میں صاف وصریح الفاظ میں کہدینا چاہتا ہوں کہ تاریخ کے اوراق شاہد عدل ہیں کہ دنیا کے ہر انقلاب میں ہماری ضرورت ہوئی ہے بڑے بڑے الوالعزم سلاطین کی قسمت کے مالک علمار ہی ہوئے ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ دنیا کو معلوم ہو جائیگا کہ علما ہی کے سچے اور مخلص ہاتھوں میں حریت وآزادی کا علم ہوگا مگر یہ جب ممکن ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے دل میں سچی تڑپ ہو اور اپنے فرائض وذمہ داریوں کا پورا پورا احساس ہو۔ آج جسقدر خرابیاں نظر آرہی ہیں۔ اس میں ہمارے علمار کے تقاعد کو بہت کچھ دخل ہے

خانۂ شرع خراب است کہ ارباب صلاح

در عمارت گری گنبد دستار خود اند

اس لئے ہمیں ضرورت ہے کہ اگر ہم کو اپنے وجود وتحفظ کا خیال ہے تو اصحاب صفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عملی زندگی کو شمع راہ بنا کر علوم وفنون کی روشنی میں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کفن بردوش نکل کھڑے ہونا چاہئے۔ انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ۔ ذلکم

خیر لکم ان کنتم تعلمون۔

چونکہ اصحاب صفہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین درحقیقت طلباء علوم تھے اور مجاہدین تھے۔ اس کی مناسبت سے علوم اور مراتب علوم کی ایک ضروری بحث ہدیہ ناظرین ہے۔ اس سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہمیں کونسا علم حاصل کرنا چاہیے۔ حضرت شیخ روشن شہاب الدین سہروردی رحمہ نے عوارف المعارف میں تحریر فرمایا ہے کہ علم اس نور کا نام ہے جو مسلمان کے قلب میں مشکوۃ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقتبس ہوتا ہے جس کا نتیجہ و ثمرہ خدا شناسی اور اس کے احکام کی معرفت ہے۔ یہ علم مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس علم اور عقل کے درمیان یہ فرق ہے کہ عقل ایک فطری نور کا نام ہے۔ جس سے آدمی صلاح وفساد۔ خیر و شر کی تمیز رکھتا ہے۔ یہ مومنین ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ کافر و مسلم سب ہی کو یہ قوت ممیزہ حاصل ہوتی ہے۔ اس مقام پر یہ بات قابل غور ہے کہ عقل اگرچہ جوہر بسیط کا نام ہے۔ مگر اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک رخ خالق کی جانب دوسرا مخلوق کی جانب۔ عقل کا وہ رخ جو مخلوق کی جانب ہوتا ہے اسکی تمیز داری صرف امور دنیوی میں منحصر ہوتی ہے۔ اسکو اصطلاح میں عقل معاش کہا جاتا ہے۔ عقل معاش میں مسلم و کافر دونوں کا حصہ ہوتا ہے۔ اور عقل کا وہ رخ جو خالق کی جانب ہوتا ہے اور نور ہدایت منور ہوتی ہے اسکی تمیز داری امور اخری کی صلاح وفساد کیلئے ہوتی ہے۔ اسکو اصطلاح میں عقل معاد کہتے ہیں۔ اس بنا پر علم اور عقل معاد دونوں متلازم و متحد ہیں۔ جو لوگ کہ مخلص مومن ہیں اُنکی عقل معاش عقل معاد کے تابع ہوتی ہے جب تک عقل معاش عقل معاد کی منقاد و مطیع ہوتی ہے عمل پیرا ہوتے ہیں اور عقل معاش کی فرمائشوں کو تسلیم کرتے ہیں ورنہ عقل معاش ان حضرات کی نظر کیمیا اثر میں لاشئی محض ہے۔

اس تمہید کے بعد تقسیم کا نمبر آتا ہے مطلق علم جس کی تعریف سابق میں معلوم ہو چکی اسکی تین قسمیں ہیں۔ علم توحید دوسرے وہ علم جو افعال خداوندی مثل اعدام و ایجاد۔ تقریب و ابعاد۔ احیاء و اماتت۔ نشر و حشر۔ ثواب و عقاب وغیرہ سے متعلق ہو۔ تیسرے علم احکام شریعت ان ہر سہ مسالک کے رہرو علیحدہ ہیں۔ مسلک اول یا قسم اول کا جاننے والا عالم ربانی کہلاتا ہے۔ اس کا علم وسیع ہوتا ہے مابعد کے دونوں علم اس کے احاطہ علمی میں داخل ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ وغیرہ کاملین نے اپنی تصانیف و مکاتیب میں مصرح فرمایا ہے کہ انبیاء کی وراثت درحقیقت عالم ربانی ہی کے حصہ میں آتی ہے۔ مسلک ثانی یا قسم ثانی کے جاننے والے کو عالم اُخروی کہتے ہیں۔ اسکا علم بھی وسیع ہوتا ہے۔ مگر عالم ربانی سے بدرجہا کم۔ مسلک ثالث یا قسم ثالث کے جاننے والے کو عالم دنیوی کہا جاتا ہے۔ اس کا علم نہایت محدود ہوتا ہے۔ اسکو ماقبل کے دونوں علم کی خبر تک نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان علوم کی اسکو خبر ہوتی تو اس قدر بے عملی اور فتور احکام شرع میں اس سے ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ عالم ربانی علم توحید کے انہماک و استغراق کے باوجود افعال خداوندی اور احکام شرعی کا منقاد و مطیع ہوتا ہے۔ عالم اخروی چونکہ افعال خداوندی سے واقفیت کے باوجود علوم شرع سے بھی بقدر ضرورت

بہرہ یاب ہوتا ہے - اس لئے ان کے عملی کارنامے بلند سے بلند تر ہوتے ہیں ان حضرات کو عام کتب اخلاق و تصوف میں ابرار و اصحاب الیمین بھی کہتے ہیں - عالم دنیوی چونکہ سوائے رسمی اور ظاہری علوم کے دیگر علوم معرفت و توحید سے نابلد محض ہوتے ہیں - اس لئے اُن کے اعمال میں فتور ہوتا ہے اور مداخل محرمہ و مکروہہ سے چونکہ پوری طرح اجتناب نہیں کرتے ہیں اس لئے ان کی شر انگیزیاں دوسروں تک متعدی ہوتی ہیں - ایسے ہی علماء کو اصطلاح عام میں اصحاب الشمال - اشرار الناس - علماء سوء سے یاد کیا جاتا ہے جسطرح عالم ربانی اور عالم اُخروی سے بہتر کوئی نہیں ہوتا اسی طرح عالم دنیوی سے برا بھی کوئی نہیں ہوتا - اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ عالم دنیوی کسی درجہ میں مفید و نفع بخش نہیں ہوتا بلکہ عالم دنیوی بھی اپنی جگہ پر کارآمد و نفع رساں ہوتا ہے - عالم طبعیات میں اس کی مثال یوں سمجھئے کہ مٹی سونے کے مقابلہ میں خاک ہے حقیر ہے ہرکس وناکس پیروں کے نیچے آنے والی ہے مگر فی نفسہ مٹی سے کسقدر انتفاع ہوتا ہے - مگر اس کے باوجود مٹی مٹی ہے اور سونا سونا ہے - اگر اجازت ہو تو ایک بات عرض کروں جو چیز جسقدر نفع بخش ہوگی اس کا ضرر و نقصان بھی اسی اندازہ سے ہوگا - یہی علوم رسمیہ جس وقت خدا طلبی اور رضائے مولیٰ تعالیٰ کی خاطر حاصل کیے جائیں سود مند ہیں - اُس کو عالم اُخروی یا عالم ربانی کے لقب سے یاد کیا جائیگا - اور اگر دنیا طلبی اور حصول جاہ و مکنت کے لیے حاصل کیے جائیں تو بہت زیاں کار باعث خسران ہیں - مادیات میں اس کی وضاحت اس مثال سے ہو سکتی ہے - اغذیہ نفیسہ میں فی حد ذاتہ ابدان و اجسام کی پرورش کی صلاحیت موجود ہے مگر یہ ان لوگوں کے حق میں مفید ہوں گی جن کا مزاج مستقیم ہو اور معدہ کا فعل صحیح ہو اور اخلاط فاسدہ سے پاک ہو اور وہ لوگ جن کی مزاجی کیفیت حد اعتدال سے منحرف ہو چکی ہو اور بدن میں اخلاط ردیہ بھرے ہوں تو اغذیہ نفیسہ ایسے لوگوں کے حق میں سبب زیادتی امراض اور موجب ہلاکت بن جاتی ہیں - اسی طرح علم فی نفسہ ایک غذاء نافع ہے احوال قلوب اور اخلاق فاضلہ کے تنمیہ و تربیت کا سبب بن سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ متعلم ہوا و ہوس اور دنیاوی محبت کا مریض نہو - اور اس کا مزاج دل توجہ الی اللہ تعالیٰ سے منحرف نہو اور اگر ایسا نہوگا تو علم اس کے قلبی امراض کی زیادتی کا سبب ہوگا - اور اس کے اخلاط ردیہ مثل کبر - عُجب - حقد و حسد وغیرہ ترقی پاکر موجب ہلاکت و تباہی ہوگا -

کیف الوصول الی سعاد و دونہا
قلل الجبال و دونہن حیوف

فاعتبروا یا اولی الابصار

ائمہ اربعہ

امام دارالہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

(از قاضی ابو المعالی مولانا عبد الحفیظ المبارکپوری الاعظمی)

نام و نسب اور مولد

مالک نام، ابو عبد اللہ کنیت، امام دار الہجرۃ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے۔ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن حارث بن غیمان بن جثیل بن عمرو بن ذی اصبح، اصبحی مدنی، ذو اصبح کا نام حارث بن عوف ہے۔ اسی وجہ سے آپکو اصبحی کہتے ہیں آپکا خاندان خالص عربوں یعنی یعرب بن قحطان سے ہے۔ شاہان حمیر سے تعلق رکھتا ہے۔ پہلے یمن میں آباد تھا پھر بعد کو مدینہ منورہ میں آکر سکونت پذیر ہوا۔

آپ کے پردادا، ابو عامر سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہوئے۔ ان کے اسلام لانے کا صحیح وقت معلوم نہیں۔ شاہ عبد العزیز صاحب نے بستان المحدثین میں شیخ محمد بن ابراہیم کا قول نقل کیا ہے کہ،

واما ابو عامر فهو جد ابی مالک صحابی شهد المغازی کلها مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلا بدر [1]

ابو عامر مالک کے پردادا صحابی ہیں، جنگ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔

مگر علامہ ذہبی نے تجرید الصحابہ میں اور حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں ابو عامر کے متعلق لکھا ہے کہ۔

ولم ار من ذکرہ من الصحابۃ وقد کان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ ابو عامر کو صحابہ میں شمار کیا ہو۔ البتہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ضرور تھے

اس سے معلوم ہوتا ہی کہ ابو عامر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف نہیں حاصل ہوا۔ آپکے دادا مالک بن ابی عامر بہت بڑے عالم اور ثقہ تھے۔ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، ابو ہریرہؓ سے حدیثیں روایت کی ہیں [2] آپکے والد بھی محدث تھے۔ امام صاحب صحیح قول کی بنا پر جیسا کہ محدث ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام کے شاگرد خاص یحییٰ بن بکیر کی زبانی امام کا قول نقل کیا ہے اور اسکو اصح الاقوال لکھا ہے ۹۳ھ میں پیدا ہوئے [3] عام مورخین لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ تین برس شکم مادر میں رہے۔ آپکی پیدائش کے وقت خاندان بنو امیہ کا تیسرا تاجدار خلیفہ ولید بن عبد الملک تخت خلافت پر متمکن تھا۔

تعلیم جس وقت امام نے ہوش سنبھالا۔ مدینہ علوم دینیہ کا مخزن تھا۔ گھر گھر علم کا چرچا تھا، فقہاء سبعہ، سعید بن المسیبؒ عروۃ بن زبیر، قاسم بن محمدؒ، خارجہ بن زیدؒ، ابو بکر بن حارثؒ، سلیمان بن یسارؒ، عبید اللہ بن عتبہ اور ان کے علاوہ بہت سے علماء فضلا موجود تھے۔ جن پر علوم اسلامیہ کا دار مدار تھا اور مدینہ میں بیٹھکر اپنے باران علم سے دنیا کو سیراب

[1] بستان المحدثین ص۳ [2] اصابہ حصہ ۴ [3] المعارف لابن قتیبہ ص۲۱۸ [4] تذکرۃ الحفاظ حصہ ۱ ص۱۹۵ ذکر مالک،

کر رہے تھے۔ خود امام صاحب کے دادا، والد، چچا نافع بن مالک اور ابو سہیل ربیع بن مالک مستند علماء تھے، انہی وجوہات سے امام صاحب لڑکپن ہی سے تحصیل علم میں مصروف ہو گئے۔ خود آپ فرماتے ہیں۔

کنت اٰتی نافعاً و انا غلام حدیث السن — میں بچپن میں ایک غلام کے ساتھ نافع کے پاس آتا تھا

معی غلام فینزل و یحدثنی [1] — اور وہ اتر کر مجھ سے حدیث بیان کرتے تھے۔

قرأت قرآن شریف کی قرأت حضرت نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم سے سیکھی۔ آپ سے روایت ہے کہ میں نے نافع سے پڑھا ہے[2] نافع قراء سبعہ میں سے تھے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام ابو میمونہؓ سے قرأت حاصل کی تھی۔ قرأت میں اہل مدینہ کے امام تھے ۱۶۹ھ میں انتقال فرمایا۔

حدیث حدیثیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا بچپن ہی سے نافع سے پڑھنی شروع کر دی تھی اور ان سے مدت العمر جدا نہ ہوئے، زیادہ تر حدیثیں حضرت نافع ہی سے پڑھی ہیں۔ نافعؒ جلیل القدر تابعی ہیں، تیس سال تک حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی خدمت میں زندگی بسر کی، ابن عمرؓ، عائشہؓ، ابو ہریرہؓ، رافع بن خدیجؓ ابو لبابہؓ وغیرہ سے حدیثوں کی روایت کی تھی، بہت پایہ کے محدث تھے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نافع سے کوئی حدیث سن لیتا ہوں تو پھر مجھکو اس حدیث کو کسی دوسرے سے سننے کی پرواہ نہیں رہتی، محدثین نے عن الشافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر کی سند کو "سلسلۃ الذہب" فرمایا ہے کیونکہ اس سند کے تمام رجال جلیل القدر ہیں[3]۔

فقہ فقہ کی تعلیم آپ نے ابو عثمان ربیعہ رائی رحؒ سے حاصل فرمائی ہے اور انہیں سے سیکھا ہے، ربیعہ بہت بڑے فقیہ اور مجتہد تھے ساتھ ہی حافظ الحدیث اور فطین تھے رائے میں خاصی بصیرت رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو "رائی" کہا جاتا ہے اُن کی مجلس میں اعیان بیٹھے تھے۔ حضرت انسؓ وغیرہ سے ان کو شرف تلمذ حاصل تھا، ۱۳۶ھ میں انتقال فرمایا، امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ربیعہ کے انتقال کے بعد فقہ کی حلاوت جاتی رہی[4]۔

طالب علمی کے زمانہ میں غربت کی وجہ سے چھت کی کڑیاں نکال کر فروخت کرتے اور کتاب وغیرہ پر صرف فرماتے۔ مگر علم کا شوق ہرگز کم نہ ہوا۔ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ کسی کو میں نے یاد کر لیا ہو اور پھر اسکو بھول گیا ہوں، امام طالب علمی میں بھی علوم اور احادیث رسولؐ کا پورا پورا احترام کرتے اور نہایت مودبانہ طور پر تحصیل علم کرتے، ایک روز آپ ابو حازم کی خدمت میں گئے اور وہ بیٹھے ہوئے حدیث کا درس دے رہے تھے۔ حاضرین مجلس کی کثرت کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ آپ نے ابو حازمؒ حاضرین نے خلاف ادب سمجھکر اعتراض کیا، آپ نے کہا کہ کہیں میرے بیٹھنے کی جگہ نہ تھی اور مجھکو گوارا نہیں کہ کھڑے کھڑے حدیث رسول اللہؐ حاصل کروں[5]۔

[1] تذکرۃ الحفاظ حصہ ۹۶ ذکر نافع [2] ابن خلکان ذکر مالک، نافع [3] ابن خلکان حصہ ۲۷۹/۲ ذکر نافع [4] ابن خلکان ذکر ربیعہ [5] الاکمال لابی عبداللہ الخطیب ذکر مالک ۱۲

تحصیل علم میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہر کس و ناکس سے روایت نہ کرتے، امامؒ کے اساتذہ زیادہ تر مدنی ہیں۔ کیونکہ مدینہ خود علم کا گہوارہ تھا۔ اور حصول علم کے واسطے دور دراز مقامات کے سفر کی ضرورت نہ پڑی تاہم آپکے اساتذہ بہت زیادہ تھے۔ تذکرہ اور رجال کی کتابوں میں آپ کے اساتذہ کی طویل فہرست گنانے کے بعد "وخلق کثیر" کہدیا جاتا ہے یعنی ان کے علاوہ بہت سے حضرات کے نام درج ذیل ہیں۔

نافع مولیٰ ابن عمر۔ نافع بن عبدالرحمن۔ ربیعہ رائی۔ سعید مقبری۔ زید بن اسلم۔ ابوحازم سلمہ بن دینار ہشام بن عروہ۔ صالح بن کیسان۔ امام زہری۔ جعفر بن محمد۔ شریک بن عبداللہ۔ صفوان بن سلیم۔ علاء بن عبدالرحمن۔ داؤد بن الحصین۔ ابراہیم و موسیٰ ابنے عقبہ۔ ایوب سختیانی۔ اسمٰعیل بن ابی حکیم۔ ابوالزناد محمد بن المنکدر۔ عامر بن عبداللہ۔ نعیم بن عبداللہ المجمر۔ حمید الطویل۔ یزید بن المہاجر۔ ابوالزبیر مکی۔ زیاد بن سعد۔ سہیل بن ابی صالح۔ طلحہ بن عبدالملک۔ عبدالرحمن بن قاسم قطن بن وہب۔ عمرو بن یحییٰ بن عمارہ۔ محمد بن یحییٰ بن حبان وغیرہ رحمہم اللہ

تدریس وافتا امام صاحب اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے اپنے استاذ ربیعہ رائی کی زندگی ہی میں ان کے ساتھ فتوے دینے لگے[1]۔ اور فتویٰ بھی کب دینا شروع کیا؟ جبکہ ستر علماء نے اس بات کی گواہی دی کہ آپ میں فتویٰ دینے کی اہلیت پیدا ہو گئی، حضرت نافعؒ زندہ ہی تھے کہ آپ مسند درس پر جلوہ افروز ہو گئے حافظ ابن عبدالبر اندلسیؒ نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ امام مالک سترہ سال کی عمر میں ۱۱۰ھ میں درس دینے لگے[2] یعنی نافع کی وفات کے سات سال پیشتر ہی آپ نے تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

مگر ۱۱۷ھ میں جب نافعؒ کا انتقال ہوا تو آپ ان کے جانشین ہوئے اور آپ کا حلقۂ درس مستقل قائم ہو گیا۔ حضرت شعبہؒ کا بیان ہے کہ نافع کے انتقال کے ایک سال بعد میں مدینہ گیا تو دیکھا کہ مالک کا حلقۂ درس قائم ہو چکا ہے۔

امام صاحب کی مجلس درس ہمیشہ آراستہ و پیراستہ رہتی تھی، بیکار اور لغو شور شرابا، خلاف مجلس باتیں کبھی نہ ہوتی تھیں، درس حدیث کے وقت عود اور مجمر جلائے جاتے تھے، حاضرین کے لئے پنکھے کا انتظام ہوتا تھا۔ امام صاحب کے لئے صدر حلقہ میں تکیہ لگا دیا جاتا تھا۔ اور آخر تک مجلس اسی طرح سجی رہتی تھی۔ آپ وضو کرتے داڑھی میں کنگھی کرتے، عطر اور خوشبو کو استعمال فرماتے اور بہترین کپڑے پہنکر نہایت سنجیدگی اور انکساری کے ساتھ اپنے حجرے سے مجلس میں تشریف لاتے، اور رعب و جلال کے ساتھ مسند درس پر بیٹھ جاتے۔ امام کے خاص کاتب حبیبؒ تمام حاضرین کو حدیثیں پڑھ کر سناتے تھے اگر کہیں حبیب غلطی کرتے تو آپ اُن کو لقمہ دیتے تھے بعض مرتبہ معن بن عیسیٰؒ اور دوسرے حضرات اس خدمت کو انجام دیتے۔ آپ کے ہیبت اور جلال کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص قریب نہ ہوتا اور نہ اپنی کتاب میں دیکھ سکتا نہ کوئی بات پوچھ سکتا۔

سفیان ثوریؒ جو امام کے تلامذہ میں سے تھے ایک مجلس میں تھے، مجلس کا رعب و جلال اور اس کے انوار

و برکات کو دیکھ کر امام کی شان میں یہ اشعار کہے ۔

یدع الجواب فما یراجع ھیبۃ ۔ والسائلون نواکس الاذقان
امام جواب نہیں دیتے تو پھر آپکی ہیبت سے پوچھا نہیں جاتا ۔ اور سوال کرنے والے سرنگوں رہتے ہیں ۔
ادب الوقار وعن سلطان التقی ۔ فھو المھاب ولیس ذا سلطان
یہ وقار کا ادب اور سلطان تقوی کی عزت ہے ۔ امام کی ہیبت سے ڈرا جاتا ہے حالانکہ آپ بادشاہ نہیں ہیں

احادیث رسول کا احترام کرتے ہوئے مجلس میں جس ہیئت پر بیٹھتے آخر تک اسی طرح رہجاتے اور زانو ہرگز نہ بدلتے ایک دن درس حدیث دے رہے تھے اسی دوران میں، بچھونے دسیوں مرتبہ ڈنک مارا۔ تکلیف سے چہرہ مبارک زرد اور متغیر ہوگیا۔ مگر روایت حدیث کو منقطع نہ کیا اور کلام میں کوئی لغزش نہ پیدا ہوئی۔ عبد اللہ بن مبارک راوی فرماتے ہیں کہ جب مجلس ختم ہوگئی اور تمام لوگ چلے گئے تو میں نے امام صاحب سے عرض کیا کہ آج چہرہ مبارک کا رنگ بہت متغیر تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں اور تمام ماجرا بیان کر کے کہا کہ اسقدر صبر میں نے صرف اس لئے کیا کہ احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام میں کوئی فرق نہ آنے پائے راستہ پر چلتے پھرتے کھڑے ہوکر یا عجلت میں حدیث بیان کرنا احترام کے خلاف اور مکروہ سمجھتے تھے ۔

امراء اور غرباء سب آپ کے درس میں برابر تھے، بلکہ غرباء کا خاص لحاظ فرماتے تھے کسی کی مجال نہ ہوتی کہ آپ سے کچھ پوچھ سکے مگر غرباء احادیث کے متعلق امام سے برابر سوال کرتے اور آپ جواب دیتے بلکہ بسا اوقات غریب کو اجازت مرحمت فرماتے کہ وہ حدیث پڑھے۔ ایک دفعہ ہارون رشید اپنے لڑکوں کو لیکر امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ ان کو حدیث خود پڑھکر سنائیے آپ نے فرمایا کہ میرا یہ طریقہ نہیں ہے بلکہ لوگ آکر مجھے سناتے ہیں۔ یہ سنکر ہاروں رشید نے کہا لوگوں کو ہٹا دیجئے میں خود قرأت کروں گا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ بعض خاص کی وجہ سے تمام لوگوں کو نہیں ہٹایا جائے گا۔ اور اپنے شاگرد معن بن عیسی کو حکم دیا کہ وہ قرأت کریں اور دربار مالکی میں ہاروں رشید مع شہزادوں کے بیٹھا سنتا رہا۔

امام کے فضل و کمال کا ایسا شہرہ ہوگیا تھا کہ لوگ آپ سے شاگردی کرنے کو اپنے لئے فخر سمجھتے تھے، لبشر حافی فرماتے ہیں کہ دنیا کی جملہ زینتوں میں سے یہ بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ آدمی کہے کہ "حدثنا مالك"، فقہاء، علماء، محدثین، صوفیہ، امراء، خلفا، سلاطین، غرض کہ ہر طبقہ کے لوگوں نے امام عالی مقام سے تبرک کا شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔ (باقی باقی)

داستان پارینہ

قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کا علمی شغف

(مولانا ابو سعید محمد ادریس صاحب سہیل بھاگلپوری)

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را ——— گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

گذشتہ تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھئے کہ مسلمانوں کا علمی شغف، علمی معیار کتنا بلند تھا، اور کس اعتدال و استقلال سے انہوں نے دنیا کے چپے چپے میں ناگہانی ترقی کے سب سے پہلی اور سب سے پچھلی مثال قائم کی۔ کون نہیں جانتا کہ اگر ایک طرف وہ آسمان شجاعت و شہامت کے مہر درخشاں تھے، تو دوسری طرف تشنگان علوم و فضائل کے لئے خضر ثابت ہوئے۔ کیا دنیا امام ابو حنیفہؒ کی قابلیت سے انکار کر سکتی، جنہوں نے فقاہت کے دریا بہائے، جن کے حلقۂ درس میں اقطاع عالم کے تشنگان علوم آتے اور اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ سیدنا امام شافعی، سیدنا امام مالک سیدنا امام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) ایسی بے مثال ہستیوں کو کیا تاریخ فراموش کر سکتی ہے، جن کے تبحر علمی پر دنیا جتنی بھی نازاں ہو کم ہے۔ شیخ الاسلام بقی بن مخلد، حجاج بغدادی، ابو حاتم رازی، ابن جریر طبری ہی کی ذاتیں تو ہیں جنہوں نے آسمان علم و معرفت میں چار چاند لگائے، ارسطو کی تصانیف جو یورپ کے لئے گلدستہ طاق نسیاں بن چکی تھیں، یہی عربی علماء و فضلاء تھے جنہوں نے اس کے تراجم و تفاسیر لکھکر مغربی یورپ (جو آج تہذیب و تمدن کا ٹھیکیدار اپنے آپکو سمجھتے ہیں) کو جہالت کی گھٹا ٹوپ تاریکی سے نکالکر حیات تازہ بخشا، اور انہی عربی علماء نے اس وقت بیدار کیا جبکہ یورپ جہالت کی گھٹا ٹوپ تاریکی سے نکالکر حیات تازہ بخشا، اور انہی علماء عربی نے اس وقت بیدار کیا جبکہ یورپ جہالت و غفلت کی سحر آفرینی سے متأثر ہو کر خراٹے بھر رہا تھا۔

کیا ہجرت کی دوسری سے آٹھویں صدی تک مسلمان علمی سرمایوں پر تنہا قابض نہ تھے۔ چوتھی صدی سے پہلے جبکہ مسلمانوں میں کوئی تعلیمی نظام نہ تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یزید بن ہارون المتوفی سنہ ۲۰۶ھ کے حلقۂ درس میں ستر ہزار تشنگان علوم بادۂ علم و عرفان سے جھوم رہے ہیں۔ اور جب ہم جامع بصری میں سیدنا امام بخاریؒ کو تقریر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہزاروں کے قریب فقہاء، حفاظ، محدثین اور اہل مناظرہ شامل مجلس پاتے ہیں۔ سنہ ۸۵ھ میں خالد بن یزید اموی نے جو کارہائے نمایاں کئے کیا دنیا اسے بھلا سکتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ابن یزید اموی نے یونانیوں کو جمع کیا اور ترجمہ کی سب سے بڑی خدمت انجام دی۔ عبد الملک بن مروان ہی تو وہ خلیفہ ہیں جن کے حکم سے ابن عاصم نے سنہ ۸۶ھ میں لفظوں کو باترتیب وضع کیا۔ جن سے ب۔ ت۔ ث وغیرہ حرفوں میں تمیز پیدا ہوئی، بغداد کا نقشہ اٹھا کر دیکھو جو کبھی ترقی و تہذیب، علم و ہنر کا مامن و مسکن تھا۔ دربار منصوری میں اگر ایک طرف جلیل القدر عہدیدار نشستیں تھیں تو دوسری طرف فقہاء و محدثین و علماء کی عظیم المرتبت

شخصیتیں جانگزیں ہوتی تھیں، اس میں شک نہیں کہ بغداد عالیشان محلوں اور کوہ نما قلعوں سے جگمگاتا تھا مگر ہم کہیں گے کہ دراصل بغداد کو "بغداد" بنانیوالی یہ چیزیں نہ تھیں بلکہ وہاں کے بسنے والوں کی علمی دلچسپی کا ایک اعلیٰ کرشمہ تھا، جس نے "بغداد" کو حقیقی معنی میں "بغداد" بنا دیا تھا، خلیفہ ہارون رشید اور اس کے بعد کے دیگر خلفاء نے انواع و اقسام علوم و فنون کی سرپرستی کی، اور اپنی انتھک کوششوں سے درسگاہیں قائم کرکے عوام کو علم و فضل کی طرف ابھارا، اور علماء و حکماء کی ہمت افزائی خود کرتے تھے۔ دارالخلافہ اور صوبہ کے صدر مقاموں میں بڑے بڑے کالج و یونیورسٹیاں قائم تھیں، ہر ایک کالج کا پرنسپل جدا ہوتا تھا۔ بڑے بڑے عالیشان شفاخانے ہوتے تھے۔ جنکی نگرانی کوئی تجربہ کار اور لائق طبیب کرتے تھے، ابوبکر رازی بھی اسی ممتاز عہدہ پر مکتفی کے عہد میں فائض ہوا تھا۔۔۔۔ نظام الملک نے ۴۶۶ھ میں نظامیہ کالج اور مستنصر باللہ نے ۱۲۳۶ء میں مستنصریہ کالج بنایا جو تاریخ اسلام میں بہت زیادہ مشہور ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بڑی بڑی درسگاہیں تھیں جنکی حیثیت کسی طرح کم نہ تھی۔

کیا ہم ایجاد و اختراع سے عاری تھے؟ ہرگز نہیں، تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے ان مرحلوں کے سر کرنے میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا بلکہ ہم دعوے کیساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آجتک یورپ نے جتنی ترقیاں کیں وہ صرف مسلمانوں کی بدولت، ثابت بن ناصر دمشقی "یزید ثانی"، کے عہد میں علم فلسفہ میں طاق شہرۂ آفاق تھا اور بڑا نامی و گرامی فلاسفر تھا، کیا یورپ والے بھول گئے کہ اسی نے اس عہد میں آلات جاذب برق ایجاد کئے، جن کے ذریعہ سے قوت کہربا بجلی کو بادلوں سے جذب کرتی تھی۔ تاریخ کھلم کھلا بتاتی ہے کہ "یزید ثانی" نے ثابت کی اس لامثال ایجاد پر پانچ لاکھ درہم عطا کئے، علی بن تغلق ۳۰۱ھ میں گھڑی بنانے میں یکتائے روزگار تھا، کونسا علم و ہنر تھا جسکو مسلمانوں نے ہاتھ نہ لگایا ہو کہیں علم ہندسہ میں کمالات پیدا کئے تو کہیں دائرۃ البروج کے اس رجحان کو بھی دریافت کرلیا جو خط استوا کی طرف ہے، ایک طرف علم ہیئت کی بناڈالی تو دوسری طرف جبر و مقابلہ اور علم المثلث کی تعلیم حاصل کی کس کس کو گنائیں، کن کن کو سنائیں، کیمیا کو اصول پر قائم کرکے علمی رنگ میں لانیوالے کون تھے؟ علم طب میں کمالات پیدا کرکے سیکڑوں لاعلاج مرضوں کے لئے علاج تجویز کئے، اور بہت سی نئی ادویات کا اس علم میں کس نے اضافہ کیا؟ القاہرہ میں "دارالحکمت" کے نام سے ایک مشہور لائبریری تھی۔ علامہ غزالی سے کون واقف نہیں جو علم کلام کے ماہر استاد تھے، ابن ماجہ، ابن رشد کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں جسے دنیا ایک لمحہ کے لئے فراموش کرجائے۔ بغداد، اصفہان، دمشق، بیت المقدس، نیشاپور، قاہرہ، غرناطہ، قرطبہ، بلنسیہ، اسبیلیہ، شام و حلب وغیرہ میں سیکڑوں درسگاہیں ہر قسم کے علوم و فنون کی تھیں، جن میں ہزاروں کی تعداد میں طلباء آکر زانوئے ادب تہ کرتے تھے، ایک محض آل سلجوقی کا مدرسہ نظامیہ جس میں چھ ہزار طلباء ہر وقت موجود رہتے تھے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ غازی صلاح الدین ایوبی نے یروشلم میں ایک کالج بنایا تھا جسکو ناصریہ کالج کہتے تھے، دمشق میں بھی چند یونیورسٹیاں تھیں جن میں مشہور و معروف ایک راجویہ اور دوسرا البیت الشام تھا، غالباً

اس کو صلاح الدین کی بہن نے اپنی انتھک کوششوں سے بنایا تھا۔ موصل میں بھی نوریہ، عزیزیہ، واقیہ نامی گرامی کالج تھے ـــــ عبدالمومن والی مراغہ نے اپنے عہد حکومت میں ایک یونیورسٹی تیار کروی تھی جس میں تین ہزار طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ مختلف ممالک سے طلبا آتے تھے غرضیکہ ہمارے اسلاف نے وہ ترقیاں کیں کہ جن کے حالات پڑھکر آج متمدن ممالک بھی انگشت بدنداں ہیں، مگر افسوس! وہ مسلمان جن کی ترقیاں آئے دن ظہور پذیر ہوتی تھیں جو کبھی قرطبہ و غرناطہ کے گنبدوں پر ماہتاب بنکر چمکے تھے، جو کبھی بغداد و قاہرہ کے میناروں پر آسمان علم کا آفتاب بنکر جگمگا رہے تھے۔ ہائے...... کیا ہوئیں وہ ہستیاں جو ایک ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے ہزاروں میل پاپیادہ سفر کرتی تھیں، اور کدھر ہے وہ جانباز اصمعی جو محاورات عرب کی تحقیقات کے لئے عرب کے خاردار جنگلوں اور لق و دق بیابانوں کی خاک چھانتا پھرتا تھا۔ اور کہاں گئے علامہ شباری جس نے اپنی زندگی کے ۲۸ برس بیش قیمت اوقات کو جغرافیہ کی تحقیقات میں صرف کیا۔ اور کیا ہوئے ہمارے وہ اسلاف جنہوں نے کتب خانہ کے کتب خانہ کھنگال ڈالے تھے۔ اور علم و کسب فضل و کمال میں ہر بڑی سے بڑی مصیبتوں اور آفتوں پر لبیک کہکر غایت صبر و استقلال کے ساتھ انکو برداشت کرتے تھے اور رہر حوادث پیہم کی تزلزل سے ایک لمحہ کے لئے بھی ہراساں نہوتے تھے ـــ ہاں!..... جنہوں نے میدان علم و ہنر میں یونان کو دبایا، یورپ کو سکھایا۔ آج ان پر کیوں تنزل کا دور شروع ہو گیا؟ آج وہ کیوں علم و ہنر کی بھیک مانگنے یورپ کے دروازہ پر جاتا ہے، کون؟ جس نے یورپ کو کبھی علم و ہنر کی بھیک دی تھی۔ اے خدا یہ کیسا انقلاب ہے! افسوس!

"از ماست کہ بر ماست"

بڑی تقطیع ۵۶ صفحے
اچھی لکھائی چھپائی سفید
چکنا نہایت نفیس کاغذ

عالمگیر ہندوؤں کی نظر میں

قیمت عمہ علاوہ
محصول ڈاک رعایتی
تا ختم رمضان (عہ)

یہ کتاب اردو زبان میں بلکہ شاید دنیا کی تمام زبانوں میں اپنی نوعیت کی بالکل پہلی انوکھی اور اچھوتی کتاب ہے۔ اس کتاب میں مستند تاریخی حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کا واقعی برتاؤ ہندوؤں کے ساتھ کیا تھا۔ موضوع کی نزاکت کے پیش نظر مصنف نے اس سلسلہ میں صرف ہندوؤں کی ہی شہادت کو ترجیح سمجھا ہے۔ چنانچہ رائے چندر بھان برہمن اور منشی مادھو رام سے لیکر لوکمانیہ تلک تک کے زمانہ کی جتنی شہادتیں اس کتاب میں درج ہیں وہ سب ہندوؤں ہی کی ہیں۔ اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اپنی رائے کا اظہار بہت کم کیا ہے۔ اقتباسوں اور حوالوں کو نقل کر کے فیصلہ پڑھنے والے پر چھوڑ دیا ہے۔ اس کتاب میں نہایت کامیابی کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آجکل جن ٹوٹے ہوئے بتوں کو عالمگیر کی ظالمانہ تنگ نظری کا ثبوت بتایا جاتا ہے وہ درحقیقت خود ہندوؤں کے توڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد عالمگیر کی سلطنت میں ہندوؤں کا حصہ بتلا کر اور اس مسئلہ پر قدیم و جدید ہندو محققوں کی تصنیفوں تقریروں مقالوں اور مضمونوں سے اقتباسات دیکر اصل حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے۔ قیمت عمہ رعایتی تا ختم رمضان عہ۔ ملنے کا پتہ:-

کتب خانہ فخریہ شاہی کمپنی امروہیہ گیٹ مراد آباد

خاص قائد کے لئے

علامہ منصور سے خطاب

از مولوی محامد رضا صاحب انصاری
انبیٹھوی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

اے کہ تیری ذات ہی والا گہر عالی صفات ہے بجا تجھکو کہیں منصور فخر کائنات
قابل تقلید کیونکر ہو نہ پھر تیری حیات تو ہے غازی اور مجاہد اور جمال کائنات
غازی ملت۔ جہاد قوم تیرا کام ہے
فاتح عالم ہے تو منصور تیرا نام ہے

تجھ سے باقی ہے جہاں میں بندۂ و آقا کی ریت دور حاضر میں نہیں ہر کوئی بھی اب تجھ سا میت
تیرے حصے میں ہے آئی گویا خودداری کی جیت دار پر بھی تو نے ہاں گائے ہیں آزادی کے گیت
تجھ سے باقی گرمئ دنیائے ہست و بود ہے
تو صحیح بس جانشین مسند محمود عہ ہے

تجھکو اے خوددار کچھ مجبور ہی رکھا گیا نشہ آزادی سے یوں مخمور ہی رکھا گیا
سرزمین ہند سے اف دور ہی رکھا گیا وائے ناکامی کہ تو مقہور ہی رکھا گیا
ہند میں واپس عبیداللہ سندھی آ گئے
واپسی سے تیری پر اہل فرنگ گھبرا گئے

تو جہان زندگی میں درد کی تصویر ہے تیرے سینے میں نظام درد کی تفسیر ہے
اور اعدا کے لئے تیری زباں شمشیر ہے جبہۂ آزادی بھی ہو نازاں تو وہ تقدیر ہے
آہ اک مرد مجاہد اور وطن سے دور ہو
اسقدر بیباک دیکھو کسقدر مجبور ہو

آ غلامستاں میں جاری پھر نیا فرمان کر آ خدا کی بادشاہی کا نیا اعلان کر
آ کے صبح، شام میں پیدا نیا ہیجان کر آ نشاط زندگی کا پھر نیا سامان کر
ماسوا اللہ ہر رشتے سے رشتہ توڑ دے
اٹھ مرے شیر اور زنجیر غلامی توڑ دے

مادر ہندوستاں تیرے لئے بیتاب ہے ہر جوان و پیر یاں تیرے لئے خوں ناب ہے
آنکھ تیری جستجو میں آہ پھر پُر آب ہے ہجر سے تیرا محامد اب بہت بیتاب ہے
کاش ایسا ہو کہ مرد کامیاب آ جائے پھر
اس سیہ خانہ میں رشک آفتاب آ جائے پھر

عہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب

بسلسلۂ ماسبق

اکابر دین کے سبق آموز حالات

از مولینا فیض الرحمن صاحب عثمانی

فن کتابت میں مہارت تامہ

زمانہ اسلاف میں جہاں اور بہت سی چیزیں مفقود تھیں وہاں فن طباعت سے بھی اکثر نابلد تھے۔ برقی پریس تو بجائے خود، دستی پریس کا خاکہ بھی ان کے ذہنوں میں نہ تھا جو کچھ پڑھتے ذاتی مساعی کے تمامتر نتائج ہوتے۔ امور تصنیف و تالیف بدست خود انجام دیتے۔ ضخیم سے ضخیم کتاب کی کتابت خود کرتے۔ کثرت مطالعہ تعلیم و تعلم کا اہم جزو تصور کرتے۔ قوت حافظہ کو بھی بیکار نہیں چھوڑتے یہی وہ سب چیزیں تھیں۔ جنہوں نے ان کے علوم میں ترقی کے چار چاند لگائے۔

حفظ کتب کی بین دلیل ابو عیسیٰ ترمذی۔ مصنف ترمذی۔ اور قرطمہ کی سوانح ہو سکتی ہیں۔ امام ابو سعید حافظ صحیح مسلم ابو الحسن اصفہانی حافظ صحیحین۔ اور امام تقی الدین بعلبکی حافظ صحیح مسلم وغیرہ وغیرہ سے روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ ہاں امام[1] ابو داؤد ظاہری کا واقعہ بھی دلیل بنانے کے لئے کم نہیں۔

مہارت کتابت کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ حافظ فرات بغدادی نے جب اس مادی عالم سے دار بقا کی طرف رحلت کی تو کتابوں کے اٹھارہ صندوق ان کے پاس تھے۔ جن کا اکثر حصہ ان کے ہاتھوں نے لکھا تھا۔ سبط ابن جوزی کا واقعہ کیا کم تعجب خیز ہے۔ جو فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جد امجد کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ میری ان انگلیوں نے دو ہزار کتابیں لکھی ہیں۔ مزید برآں جن قلموں سے انہوں نے کتابت حدیث شریف کی تھی۔ حسب وصیت ان کے تراشوں کو ایندھن کے کام میں لایا گیا۔ اور ماء غسل اسی سے گرم کیا گیا۔ عبرت کے لئے ابو جعفر طبری کا واقعہ کافی ہے جنہوں نے چودہ ورق یومیہ زمانہ شباب سے زمانہ وصال تک لکھے اور ان کی تمام تحریروں کا اندازہ چالیس ورق یومیہ تک پہنچتا ہے۔

تذکرہ بالا واقعات سے آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ علمی مساعی کرنے والوں نے کن کن مشکلوں سے دوچار ہو کر ہمارے لئے یہ مخزن علم و حکمت جمع کیا وہ کون سے مصائب و آلام تھے جن سے وہ نہیں ٹکرائے باد مخالف کے وہ کون سے جھونکے تھے جنہوں نے اُن کی صبر آزمائی نہیں کی۔ وہ کونسا طوفان بلا تھا جس نے

[1] یہ ناقل ہیں کہ میری محفل میں ایک روز ایک شخص ابو یعقوب بصری نامی شکستہ حال آیا اور بدون کسی اشارہ کے صدر میں آ بیٹھا۔ اور فخریہ لہجہ میں کہا کہ سل یا فتیٰ عما بدٰلک۔ مجھ کو ان کی اس مشیخت پر غصہ آیا اور استہزاءً میں نے کہا کہ حجامت کے متعلق کچھ فرمائیے۔ ابو یعقوب نے بارک اللہ کہا۔ اور سب سے پہلے محدثانہ و فقیہانہ گفتگو کی اور اسناد و متن و اختلاف مذاہب مفصلاً بیان کیا ۱۲ منقول از علماء سلف۔

ان کی کشتی کو غرقِ آب کرنے کی نہیں ٹھانی اور وہ کونسی فقر و فاقہ کی بھیانک صورتیں تھیں جن کی لذت سے وہ ناآشنا رہے۔ ہاں وہ کون سے خطرات تھے جنہوں نے لرزہ براندام بنانا نہیں چاہا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن کیا وہ تحصیل مرام میں ناکام رہے۔ کیا ان کا نخلِ اُمید بارآور نہیں ہوا۔ ہوا اور خوب ہوا۔ وہی تو تھے جنہوں علم کے ناپیدہ کنار دریا میں غوطہ زنی کی۔ فلک علم و معرفت کے درخشندہ ستارے ہوئے۔ یہ سب برتری اور فوقیت انہیں کیوں ملی محض اس لئے کہ وہ عزم صمیم استقلال کامل رکھتے تھے۔ جس کام کیلئے اُٹھے اسے کر دکھایا۔ جس کا ارادہ کیا اسے کر گذرے۔

بتایئے آج ہم میں کتنی وہ بزرگ ہستیاں ہیں جو تحصیل علم کے لئے مسلسل فاقے کرتی ہیں۔ کتنے ہیں جو جذبۂ شوق میں چقندر کی پتیاں، جنگل کی جڑی بوٹیاں کھا کھا کر ایام گذاری کرتے ہیں۔ دس پانچ تو بڑی بات شاید دو ایک بھی ایسی مثالیں نہ پیش کی جاسکیں۔

ممکن ہے کہ کج فہم یہ سوال پیدا کرے کہ یہ طویل طویل اسفار کا کرنا بھوکے پیاسے رہنا اس لئے تھا کہ ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی سیم و زر کی کثرت نہ تھی ایسے طفلانہ سوال کو میں وقعت نہیں دیتا جب کہ میں اس ابوبکر جوزقی کو جانتا ہوں جنہوں نے زمانہ طالب علمی میں ایک لاکھ درہم خرچ کئے۔ ہشام ابن عبیداللہ کا واقعہ بھی مجھے یاد ہے جنہوں نے طالب علمی میں سات لاکھ دراہم صرف کئے۔ صدہا واقعات ایسے مل سکتے ہیں کہ شوقِ تعلیم و تعلم میں مال کثیر خرچ کیا۔ پھر ان پر ایسا غلط اعتراض کرنا کہاں تک قرینِ قیاس ہوسکتا ہے۔

عزیز طلبار سے خطاب

بہر نوع ہماری زندگی ار میدان علم میں شیخ الفقہا امام برقانیؒ و ابوعلی بلخی کا نمونہ ہو تو طلب صادق سعی کامل ابوعمر ابن العلا۔ ابو عبیدؒ ابن سلام اور حافظ طاہر مقدسی کے نقش قدم پر ہونی چاہئے ہماری حیات اگر حق گوئی و حق پرستی میں حضرت ابن عمرؓ اور امام احمد ابن حنبل جیسی ہو تو ہماری موت سعیدؒ ابن جبیر امام اعظم کی تصویر ہونی چاہئے۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ یہ جماعت عزلت و گوشہ نشینی اختیار کرے۔ نہیں میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ جہاں یہ علم و عمل میں اسلاف کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں وہاں جذبۂ حریت بھی ان کے دلوں میں بدرجہ اتم موجود ہو۔ میری تمنا ہے کہ اگر میدان کارزار میں نکلیں تو معوذؓ و معاذؓ کی صورت بن کر۔ جرأت و دلیری

لے موصوف جب اسفرائن پڑھنے گئے انکے پاس کل تین اشرفیاں اور ایک درہم تھا۔ بدقسمتی سے اشرفیاں راہ میں گم ہوگئیں درہم باقی رہگیا اسفرائن پہنچکر درہم کو ایک نان بائی کے ہاں جمع کردیا۔ ہر روز اس سے دو روٹیاں لیتے اور احمد ابن بشر کے یہاں سے ہر روز کتاب کا ایک جز نقل کرتے اور شام تک نقل شدہ جز واپس کردیتے تیس جز نقل ہوئے تھے کہ درہم ختم ہوگیا۔ مجبوراً وہاں سے سفر کیا۔ ماخوذ از علمار سلف لے آپ جب عسقلان پہنچے تو خرچ سے اتنا تنگ ہوئے کہ کئی فاقوں کی نوبت پہنچی اور ضعف نے لکھنے سے معذور کردیا۔ جب بھوک کی اذیت برداشت نہ ہوسکی تو ایک نان بائی کی دکان پر اس غرض سے جا بیٹھے کہ کھانے کی خوشبو سے کچھ طبعیت کو تقویت پہنچے۔ ماخوذ از علمار سلف سے ایک دفعہ آپ نے اپنے تلامذہ سے کہا کہ میں نے چالیس برس غریب الحدیث کی تصنیف میں خرچ کئے ہیں۔ اکثر فوائد مجھکو لوگوں کی زبان سے معلوم ہوئے ہیں۔ جب کوئی نئی بات معلوم ہوتی تو خوشی سے ساری رات نہیں سوتا۔ ماخوذ از علمار سلف سے انکی مشقت سفر کا واقعہ ماقبل میں مذکور ہوچکا ہے موصوف نے ایکمرتبہ حجاج کو خطبہ پڑھتے سنا۔ آپ نے غضب آلود ہوکر فرمایا کہ خدا کا دشمن خدا کی حرام کی ہوئی باتوں کو اس نے حلال کرلیا وغیرہ وغیرہ۔ حجاج نے اپنی نسبت یہ سخت کلمات سنکر پوچھا کہ یہ کون ہے کسی نے کہا عبداللہ ابن عمر۔ یہ سنتے ہی (باقی حاشیہ صفحہ ۳۱ پر)

کی باری آئے تو قیس ؓ ابن ثابت عبد اللہ ؓ ابن عتیک انصاری ہو کر اگر ایک طرف ان کا عقیدہ القتل فی سبیل اللہ یکفر کل شئی الا الدین ہو تو دوسری طرف امانت اسلاف کے سچے عامل بھی ہوں۔ جانے والوں نے جو کچھ حاصل کیا۔ جسقدر بھی ان کا ستارہ اوج و بلندی پر جلوہ فگن ہوا۔ زیادہ تر ان کی مساعی کا نتیجہ تھا جو نہیں ملا۔ ہمیں بھی جو کچھ ملا یا مل رہا ہے ہمارے کارناموں کا ثمرہ نہیں تو اور کیا ہے لیکن ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا ہم نے ذرائع ترقی جب سے چھوڑے۔ کارنامہ اسلاف کو جب سے بھلایا جب احادیث نبوی فرمان باری سے رو گرداں ہوئے بقدر ما تتغی فنال ما تتمنی۔ ہمارے سامنے بے حقیقت ہوا۔ مقولہ من جل وجل کو ہم نے چیستاں قرار دیا۔ اس سے ابتک قعر مذلت و رسوائی میں گرتے رہے۔ اور گرتے جا رہے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ کہاں تک کریں گے۔ ضرورت ہے کہ پدرم سلطان بود سے علیحدہ ہو کر قسمت خفتہ کو بیدار کریں۔ روح اسلاف کو شاد کریں۔ عزیزو سنو!

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی ✻ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اگر تمہیں الجاھلون موتی قبل موتھم ✻ العالمون وان ماتوا فاحیاء کی چاشنی چکھنی ہے۔ تو خم ٹھوک کر راہ طلب میں نکل آؤ۔ اور

الجد یدنی کل امر شاسع ✻ الجد یفتح کل باب مغلق

پر یقین کرو۔ ان فرصت کے ایام کو غنیمت سمجھو اور دنیا کو وہ بھولا ہوا افسانہ یاد دلاؤ جس کے لئے آج وہ ماتم کناں ہے۔ وما علینا الا البلاغ

(بقیہ صفحہ ۳۰) وہ سفاک ان کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ اب تم سٹھیا گئے۔ ممبر سے اترتے ہی ایک ملازم کو اشارہ کیا اور اس نے زہر میں بجھا ہوا حربہ حضرت ابن عمر کے پاؤں پر مارا اور اسکی سمیت ان کی وفات کی باعث ہوئی۔ ماخوذ از علماء سلف ؏ حق گوئی میں آپکو کوڑے لگائے گئے ؏ آپ سے دولت بنی امیہ مخالف ہو گئی تھی آپ حتی الوسع اس کے پنجے سے بچتے رہے لیکن کب تک، آخر ایک موقعہ پر والی مکہ نے انہیں پکڑ کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ اس سے بہت دیر تک بحث و مباحثہ رہا۔ آخر کار ان کی حق گوئی سے وہ مجبور ہو گیا اور جلاد کو گردن زدنی کا حکم دیا۔ اور انہوں نے ہنستے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ ماخوذ از علماء سلف ؏ ممدوح حق گوئی کی وجہ سے محبوس کئے گئے اور ۱۰۵ھ میں وفات پائی ؏ یہی وہ دو لڑکے ہیں جنہوں نے ابو جہل کو صف درست کرنے کی حالت میں قتل کیا۔ بخاری ؏ مسیلمہ کا لشکر جب مسلمانوں پر حملہ آور ہوا اور مسلمانوں میں کچھ پست ہمتی پیدا ہوئی اس وقت انہوں نے قوم کو ایک خطبہ دیا اور انہیں مقابلہ پر ابھار کر خود جماعت کفار پر حملہ آور ہوئے اور ایک کافر کی ضرب سے اُن کا پاؤں کٹ گیا۔ اسی پاؤں سے اس کافر کا کام تمام کر دیا ماخوذ از تذکرۃ الصدیق ؏ جس وقت ابو رافع کو قتل کر کے اسکے مکان سے اتر رہے تھے۔ چاندنی کے سبب انہیں غلط فہمی ہوئی اور زینہ سے گر گئے آپکا پاؤں ٹوٹ گیا۔ اپنے عمامہ سے باندھکر اپنے اصحاب تک پہنچے

تیمور کا مذہب

(از مولانا محمد اطہر صاحب کشکی رکن جمعیۃ العلماء ہند)

ہلاکو اور چنگیز کی اسلام دشمنی اور ان کے دردناک مظالم کی داستان آج سیکڑوں برس بعد بھی دنیا کی نظروں میں ایسی ہے جیسے کل کے گذرے ہوئے واقعات۔ جنکی قہرمانی طاقتوں سے ایشیا اور یورپ کی بڑی سے بڑی فوجیں اور بڑی سے بڑی سلطنتیں تھر تھر کانپ اٹھیں۔ تاریخ کا یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ ہلاکوؤں کی ہلاکت خیزیوں کا مقابلہ سب سے زیادہ مسلمانوں ہی کو کرنا پڑا۔ جس کا سلسلہ مدت دراز تک جاری رہا۔ جو ہلاکو اور چنگیز کے بعد تک بھی جاری رہا۔

اسلام اور کفر کی یہ معرکہ آرائی ایک عرصہ دراز تک قائم رہنا بھی ایک تعجب انگیز بات ہے وہ اس لئے کہ جو اسلام نصف صدی سے بھی قلیل عرصہ میں آدھی دنیا پر چھا چکا ہو وہ ان مٹھی بھر مغولین لٹیروں کو زیر نہ کرسکے اس موقعہ پر ہر ایک منصف مزاج مفکر یہ کہنے پر مجبور ہو سکتا ہے کہ ہلاکوؤں کے مقابلہ میں اسلام وہ اسلام نہ تھا جو اسلام تبوک اور یرموک کے میدانوں قیصریوں اور رومیوں کے مقابلہ میں تھا۔ جنہوں نے "تلوار اور طاقت کے بل پر حکومت کی اور اخلاق اور دیانت کے ذریعہ اسلام کی اشاعت فرمائی جہاں وہ اپنے ساتھ ایک سیاسی مشن رکھتے تھے وہیں وہ ایک تبلیغی مشن کے بھی حامل تھے۔

اموی اور عباسی دور خلافت میں ان دونوں میں سے ایک بات یقیناً نہیں تھی۔ وہ یہ کہ سلطنت و ریاست ہی کا قبضہ رہا اور وہ اپنے تنہا سیاسی مشن کو کامیاب بنانے کی طرف متوجہ ہو کر تبلیغی مشن کی طرف سے بالکل بے نیاز ہو بیٹھے۔ جس کی وجہ سے وہ اور ان کے اخلاف ان مصیبتوں میں گرفتار رہے۔ ہلاکوؤں اور چنگیزیوں کا غیر مہذبانہ لٹیراپن اسی وقت ختم ہو سکتا تھا جبکہ خود مسلمان اپنے تبلیغی پروگرام پر عامل رہکر ان کے سامنے اسلامی اخلاق اور اسلامی تہذیب کا صحیح نقشہ پیش کرتے۔

ظلم و استبداد کا یہ ناخوشگوار سلسلہ سنہ ۶۸۰ھ تک جاری رہا جو دنیا کی ایک بہت بڑی آبادی کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ بالآخر باری تعالیٰ جل مجدہ کی شان کریمی کو یکایک حرکت ہوئی اور اس قوم کو اسلام سے روشناس کرنیکے لئے شیخ صدرالدین حموی کو اس جلیل القدر خدمت انجام دینے کے لئے منتخب فرمایا اور شیخ کے روحانی تصرفات سے جہاں ایران اور خراسان کے عام باشندے متاثر ہوئے وہیں صاحب حکومت اور رؤساء درباری بھی محروم نہ رہے لہٰذا ۶۸۱ھ میں سب سے پہلے ہلاکو خاں کا بیٹا نکودار المعروف احمد خاں مذہب اسلام سے مشرف ہوا۔ جو تخت ایران کا خود مختار مالک تھا۔ احمد خاں کے اسلام لاتے ہی اس کے ساتھیوں نے جو

اس کے ہمیشہ کے شریک حال تھے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور ارغوخاں جو اس وقت خراسان کا حاکم تھا اور رشتہ میں احمد خاں نکودار کا بھتیجا لگتا تھا اس سے جا کر مل گئے۔ ۶۸۳ھ میں جب ارغوخاں حاکم خراسان کی طاقت بڑھ گئی تو نکودار کو اسلام قبول کرنے کا صلہ دینے کے لئے حملہ آور ہو گیا۔ اس سلسلہ میں احمد خاں نکودار کی طاقت ویسے بھی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے ارغوخاں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ اسلام کو حکومت اور سلطنت پر ترجیح دیکر شہید ہو گیا۔

اسکی جگہ ارغوخاں تخت ایران پر بیٹھتے ہی قصبوں اور شہروں میں علماء اور مشائخ اسلام کو قتل کیا اور اُنکی بےحرمتی کرنے میں اپنے دادا سے بھی بازی لے گیا۔ ایران میں علماء اسلام کی توہین اور قتل و قتال کو ناکافی سمجھکر مرکز اسلام حجاز پر حملہ آور ہوا۔ اور اپنے زعم میں خانۂ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کا قصد کر چکا تھا۔ مگر ایک بے پناہ غیبی طاقت نے اس کے تمام ارادوں پر پانی پھیر دیا۔ اور اپنے اس مقصد کی طرف قدم اٹھانے سے پہلے موت کے ہلاکت خیز پنجہ نے آ دبوچا۔

بہرحال احمد خاں کی شہادت کے بعد ارغوخاں خراسان کی گورنری اور پھر ایران کی سلطنت کا مالک بنا۔ اگرچہ احمد خاں کی شہادت سے حضرت شیخ صدر الدین حموی کے تبلیغی مشن کو ناقابل تلافی دھکا لگا تھا مگر پھر بھی حموی نے ہمت نہ ہاری اور وہ برابر اپنے مشن کو زیادہ سے زیادہ آگے بڑھانے میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اگرچہ امراء حکومت تک اب اسلام کی اشاعت بہت دشوار ہو چکی تھی باوجود ان دشواریوں کے ۶۹۴ھ میں ایران کا ایک بہت بڑا مغل سردار جو غازان خاں ابن ارغوخاں سے بہت قریبی تعلق رکھتا تھا مشرف بہ اسلام ہو گیا جو امیر نوروز کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

امیر نوروز کے ذریعہ حضرت حموی کی تبلیغی آواز تخت ایران کے موجودہ فرمانروا غازان خاں کے کانوں تک پہنچ گئی۔ اس نے بھی امیر نوروز کی طرح حموی کی تبلیغ کے سامنے گردن جھکا دی اور امیر نوروز کو خراسان کی گورنری پر مامور کر کے سابقون الاوّلون کا پورا پورا حق ادا کیا

بدقسمتی سے غازان خاں حضرت حموی اور میر نوروز کی صحیح تبلیغ پر قائم نہ رہ سکا اور ایران کے شیعی اثرات اس پر اثر انداز ہو گئے وہ اپنے سیاسی مصالح اور شیعہ مصاحبین کی ہر وقت کی مصاحبت نے اس پر پورا قبضہ جما لیا۔ اس کے بعد اس نے شیعہ سنی مناقشہ میں زبردست پارٹ ادا کیا۔ اور غریب سنیوں پر ایسے مظالم ڈھائے کہ ان کے سامنے ہلاکو کے مظالم کی بھی کوئی حقیقت نہ رہی اور ایرانی دربار میں شیعی غلبہ نے وہ سب کچھ کیا جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔

اسی پر بس نہیں بلکہ جب غازان خاں کو یہ معلوم ہوا کہ امیر نوروز اس کا پرانا ہمدرد جو اس وقت خراسان کا گورنر ہے ابھی تک سنی عقیدے پر قائم ہے تو امیر عباسی خلیفہ مصر کے ساتھ خفیہ سازباز کا جھوٹا الزام لگا کر (نوروز) کو اپنے داماد فخر الدین کرت کے ذریعہ سے موت کے گھاٹ اتار دیا اور ساتھ ہی

یہ سمجھتے ہوئے کہ سنیت کا قلع قمع اس وقت تک ناممکن ہے جب تک صدر الدین حموی زندہ ہے - لہٰذا ح
حموی پر بھی ہاتھ صاف کر کے اپنی محسن کشی کا پورا ثبوت بہم پہنچایا - انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ بھی اپنے اسلاف کی طرح مصر و شام پر حملہ آور ہوا - ناکامی کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکا اور
اسکی جگہ اس کا بھائی خدا بندہ تخت نشین ہوا گو وہ سب کچھ سنیوں پر روا رکھا جس کے سامنے غازان
کے مظالم بھی بے حقیقت معلوم ہوتے ہیں یعنی حضرت قاضی مجد الدین کو شکاری کتوں سے ہلاک کر دیا - اس لئے
کہ وہ سنی تھے - اُف ...... اس نے بھی مصر و شام پر حملہ کیا - مگر حضرت امام ابن تیمیہ کی بہادرانہ اور مدبرانہ
جدو جہد کے سامنے کچھ نہ چلی اور ناکام رہا -

زیادہ تفصیل میں پڑ کر مختصر طور پر یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ چنگیزی خاندان کے دو ٹکڑے ہو گئے چنگیز خاں
کے ایک بیٹے کی اولاد تخت ایران کی مالک ہوئی جس کا سلسلہ نسب ہلاکو خاں ابن تولی خاں ابن چنگیز خاں
چنگیز خاں کی دوسری اولاد جس کا سلسلہ نسب چغتائی خاں ابن چنگیز خاں سے شروع ہوتا ہے - یہ ماوراء النہر
وغیرہ کے مسند حکومت پر جلوہ افروز ہوئی -

اسلام کی آواز جو حضرت حموی نے بلند کی تھی جس سے ایران اور خراسان حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا وہ
کسی قدر تفصیل کے ساتھ سامنے آ چکا - یہ سلسلہ بتدریج جاری رہا - یہانتک کہ ماوراء النہر کے چغتائی بھی اسلام کے
آغوش میں آ گئے - یہ چغتائی ایسے وقت میں مشرف با سلام ہوئے - ہیں - جبکہ ایران اور خراسان سے سنیت بالکل
ہی ملیامیٹ ہو چکی تھی - اور شیخ صدر الدین کی شہادت کے بعد جو لوگ واقعی سنی تھے وہ اپنے عقیدے کو ظاہر
نہیں کر سکتے تھے - اور اگر کہیں ایسا ہوا بھی تو اس کی سزا سوائے قتل اور گردن زدنی کے اور کچھ نہ تھی -
ایسی حالت میں چغتائیوں میں جو اسلام کی تبلیغ ہوئی وہ خالص شیعی اثرات سے پُر تھی - لہٰذا تیمور لنگ جس کا
سلسلہ نسب دادا سے نہیں بلکہ نانا کی طرف سے ہے - جو تاتاری چغتائی تھا وہ کب ان اثرات سے محفوظ رہ سکتا
تھا - تیمور قابلیت کے اعتبار سے ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی تھا - مگر باوجود اس کے اسکو مجتہد ہونیکا دعوی بھی تھا
جیسا کہ معمولی آدمی چاہیے کسی خاندان سے (عام دستور کے مطابق) تعلق رکھتا ہو اگر شیعی عقیدے کو تسلیم کر لیتا ہے
تو وہ (اولاد علی) میر صاحب اور سید صاحب کہلانیکا حقدار بن جاتا ہے - اسی طرح تیمور کے شیعہ ہونے کی
وجہ سے اسکو کسی نمایاں خصوصیت کے ساتھ مخاطب کیا جانا چاہیئے تھا اسلئے کہ وہ تیمور تھا اور صاحب حکومت
تھا لہٰذا امیر صاحب اور سید صاحب کے معمولی خطاب سے آگے بڑھکر مجتہدی کے معزز خطاب کو اختیار کیا -

ایسے ہی تقریباً تمام مورخین تیمور کے شیعیت پر متفق ہیں تیمور کی شیعیت کے متعلق نجیب آبادی تحریر فرماتے ہیں کہ

"تیمور شیعیت کی طرف بیحد مائل تھا اور سادات کے ساتھ حد سے زیادہ رعایت کرتا تھا جس کا
تذکرہ خود بھی اپنے توزک (توزک تیموری) میں اُس نے کیا ہے"

تیمور کے دور کا ایک مورخ جو خافی خاں کے نام سے بہت مشہور ہے وہ اپنے منتخب اللباب میں ذکر کرتا ہے کہ
"حسن عقیدت و کمال اخلاص کہ صاحبقران (تیمور) را نسبت با ہلبیت بودہ اظہر و اظہر از آں ست کہ بشرح
بیان محتاج باشد - چنانچہ گویند کہ ایں بیت اکثر در زبان او بودے فردا کہ ہر کس بشفیع زنند دست - ما ایم و دست و دامن

نقد و تبصرہ

از حضرت علامہ الاستاذ مولانا محمد اعزاز علی صاحب
شیخ الفقہ دار العلوم دیوبند

توتو میں میں
اور
اس کی حمایت

"ندوۃ المصنفین" قرول باغ دہلی نے رسالہ "برہان" شائع کرکے اصحاب علم و کمال پر احسان کیا۔ کہ علوم اور حکم کے خزائن و دفائن دلچسپ اور سہل الفہم طریقوں سے اُن کے گوش گزار کئے۔

ادارے کی خوش قسمتی سے اس کو کچھ ایسے کارکن مل گئے ہیں کہ بحیثیت مجموعی کسی ادارے میں اس مرتبہ کے حضرات کم ہیں، یا کم از کم میں واقف نہیں، میرے اس دعوے کی دلیل خود رسالہ کے بلند پایہ مضامین ہیں۔ "برہان" شائع ہوا اور جس طرح کہ ابتدائے نہار میں آفتاب کی ہر ساعت پہلی ساعت سے زیادہ روشن ہوتی ہے اس کا بھی ہر نمبر پہلے نمبر سے فائق ہوتا ہے۔ ادھر تو رسالہ کے ذمہ دار حضرات کا فضل و کمال، دوسری جانب خود "برہان" کے علمی مضامین اس صورت میں اگر میں اس عقیدے پر قائم رہا کہ "برہان" برہان ہی ہوگا اور جہالت کی متراکم ظلمتوں کے اس زمانہ میں فیوض علیہ سے اپنے ناظرین کو مالامال کرے گا۔ اور اپنے اس مطمح نظر میں یمین و یسار پر بھی نظر نہ ڈالے گا۔ تو بیجا نہ تھا۔

ہماری بدمذاقی سے ابھی یہ ذقت دور تھا کہ برہان کی اشاعت بیس یا پچیس ہزار تک پہنچتی کہ یکایک اس میں جناب مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا ایک مضمون پانچ نمبروں میں شائع ہوا۔ مولانا ممدوح کی شائع فرمودہ کتاب سمط اللآلی پر ایک ذی علم بزرگ جناب مولانا محمد صاحب سورتی نے تنقید کی، مولانا ممدوح نے اس کا جواب دیا۔ "برہان" میں شائع شدہ تحریر، تنقید مذکور کا جواب ہے۔

جہانتک علمی تحقیقات کا تعلق ہے، میں کہہ سکتا ہوں، کہ جوابات مولانا ممدوح کی شان تبحر کے موافق اور ہم جیسے تشنگان علوم کے لئے مارو کے قائمقام تھے، مگر اس تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی تھا کہ اگر میں مولانا ممدوح کی علمی خدمات سے ناواقف ہوتا، یا چند منٹوں کی حاضری سے آپکے عالمانہ اخلاق کا اندازہ نہ کرلیا ہوتا اور صرف جواب کی عبارت ہی میرے پیش نظر ہوتی۔ تو میں اس طرز کلام اور انداز جواب کو ایسے الفاظ سے تعبیر کرتا جن کو اس وقت بطور فرض یا تمثیل کے بھی لکھنا یا کہنا مولانا ممدوح کی توہین کرنیکے مرادف سمجھتا ہوں، یقین فرمائیے کہ ہر نمبر کو ختم کرنے کے بعد بے ساختہ یہ شعر میری زبان سے نکلجاتا تھا ؎

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

"برہان" کے متعلق اپنی امیدوں کو پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر نہ رہا گیا۔ اور میں نے چند سطریں لکھیں جو

برہان میں شائع ہوئیں، رسالہ ہذا کے ناظرین کی واقفیت کے لئے ان کو "برہان" بابت ماہ جون ۱۹۳۹ء سے نقل کرتا ہوں۔

"تو نو میں میں"

سمط اللآلی ایک نایاب کتاب، اور فی الحقیقت ایک علمی خزانہ ہے۔ اس کی صرف ایک جلد کا مطالعہ میں نے کیا ہے۔ عدیم الفرصتی کی بنا پر ابتک دوسری جلد کے مطالعہ کے شرف سے مشرف نہو سکا ہوں۔ آپ یقین کریں کہ اس کتاب کے مطالعہ کے دوران میں میں بار بار حضرت مولانا عبد العزیز صاحب میمن صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کو دعائیں دیتا رہا ہوں، کیونکہ اس کتاب کا وجود انہیں کی ان تھک مساعی کا رہین منت ہے،

ممدوح نہ میرے شاگرد، نہ استاذ اور اس سے زیادہ تعارف بھی نہیں کہ عمر بھر میں ایک دفعہ علیگڈھ کالج چند گھنٹوں کے لئے جانا ہوا۔ تو دل نہ چاہا کہ اس سرچشمہ علم کی ملاقات کے بغیر علیگڈھ سے واپس ہو جاؤں، در دولت پر حاضر ہوا۔ اور غالباً دس منٹ سے زیادہ حاضر نہ رہ سکا۔

کتاب شائع ہوئی، رسالہ "برہان" سے معلوم ہوا کہ کسی صاحب نے اُسپر تنقید کی اور کچھ اس طرح کی کہ علم کا یہ مجسمہ بھی قابو سے باہر ہو گیا۔ اور جواب میں وہ کچھ کہا جو علم کی مسند سے جدا ہو کر ہی کہنا زیبا تھا۔

میں ناواقف نہیں کہ علمی خدمت میں مصروف رہنے والا کس قدر دماغ سوزی کرتا ہے۔ مجھکو یقین ہے کہ ایک بخیل دنیا دار جس طرح رات دن کی روح فرسا کاوشیں برداشت کرنے کے بعد دولت جمع کرتا ہے، اسی طرح زیادہ سے زیادہ سخت دماغی تکلیفوں کے بعد کسی علمی خدمت کو اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جا سکتا ہے اور دن کے چین رات کی نیند حرام کر لینے کے بعد، ایک مصنف، مؤلف، محشی کی یہ خواہش اگر کسی درجہ میں بیجا بھی کہی جائے کہ اسکی محنت کی داد دی جائے تو اسکی یہ خواہش یقیناً بجا ہے کہ کم سے کم "قاش فروش دل صد پارۂ خویش" پر زبان طعن دراز نہ کی جائے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب علمی ہدایا اہل علم کی خدمت میں پیش کئے جائیں تو دیانتداری کے ساتھ انکو نہ صرف تنقید کا حق حاصل ہے، بلکہ از سلف تا خلف یہ طریقہ جاری بھی رہا ہے، علماء کے ایک گروہ نے علمی خدمات کیں، دوسرے گروہ نے اس پر تنقید کی۔

سمط اللآلی کی اشاعت کے بعد تنقید کس لہجہ میں کیگئی، اس کے تجاوز عن الحد ہونے کا اندازہ مجھ کو اس سے ہوا کہ مولانا عبد العزیز صاحب خود اپنے قابو سے باہر ہو گئے۔ اُن کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ وہ نہ صرف گنجینہ علم ہیں، بلکہ کمال حسن اخلاق کی جیتی جاگتی تصویر بھی ہیں۔ اُن کے قلم کا اس طرح سرپٹ چلدینا ہی دلیل ہے کہ ناقد نے بہت زیادہ بے راہ روی سے کام لیا ہے، ورنہ پہاڑوں کا ہلنا، سمندروں میں جوش آجانا معمولی تحریک کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن علامہ میمن صاحب مجھ کو معاف فرمائیں، اگر میں یہ عرض کروں کہ تنقید کے بعد اس قدر سختی سے کام لینا میری ناقص رائے میں علمی حکومت کی بجائے غضبی حکومت ہی کا مقتضیٰ ہو سکتا ہے، اگر ناقد کے کم ظرفی کے ساتھ (جس کا مجھکو بالکل علم نہیں) سوءِ ادب سے کام لیا تھا تو آپ کو

اگر ناداں بوحشت سخت گوید خردمندش بنرمی دل بجوید

بر عمل کر کے بتا تا تھا کہ ہر شخص نے وہی چیز صفحات قرطاس پر لا کر رکھی جو اُس کے ظرف میں تھی۔

اور اسی طرح میں اپنے عزیز ترین دوستوں دکارکنان رسالہ "برہان) کی خدمت میں بھی عرض کرتا ہوں کہ "برہان کی" کی پوزیشن اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع تھی کہ اسکو "تو تو میں میں" کا تختہ مشق بنایا جائے، ناقد نے تو غالباً اپنے حق تنقید کو ناجائز طریقہ پر استعمال کیا۔ ہیمن صاحب سے اپنے علمی بیش بہا خزانہ کی ناقدری اس طرح نہ دیکھی گئی۔ اور جس طرح ایک شخص خطابت، وعظ اور دلائل سے فتح حاصل کرنے کا موقع دیکھ لینے کے باوجود ہوائی جہاز، ٹینک اور مشین گنوں سے کام لینے لگے، ہیمن صاحب نے بھی اسی طرح کام لیا۔ لیکن آپ نے اُس کو کسی ترمیم کے بغیر شائع کر کے "برہان" کو عرش سے فرش پر لانیکا ارادہ کیوں کر لیا۔ مجھکو توقع ہے اور آپ حضرات کے علم و فضل، متانت اور تبحر کے پیش نظر بیجا توقع نہیں ہے کہ آپ "برہان کی پوزیشن کو اس قسم کی تحریروں سے بالا ہی رہنے دیں گے۔ آہ

یہ گذارش تھی جو "برہان" میں شائع ہوئی۔ اور اس کے بعد میں نے "برہان" میں شائع ہونے والے ان الفاظ کی مختصر فہرست پیش کی جو صرف ایک نمبر میں ہیمن صاحب کی طرف سے شائع ہوئے، اور جن کا انتساب میرے خیال میں (شاید غلط ہو) علامہ ہیمن صاحب کی طرف اُن کے لئے کوئی اچھا سرٹیفکٹ پیش نہیں کرتا ہے۔ اس کے شروع میں ادارے کی جانب سے ایک مختصر نوٹ تھا جس کے بعض الفاظ سے مجھ کو شبہہ ہو گیا کہ ارکان ادارے نے بھی میری گذارش کو منظور فرما لیا۔ اور آئندہ سے ذاتیات پر حملوں اور گندہ دہنی کو "برہان" کے صفحات میں جگہ نہ ملے گی، لیکن اس کے بعد ہی "شکریہ و شکایت" کے عنوان سے جناب محترم مولینا عبدالخالق صاحب ایم۔ اے عربک کالج دہلی نے ایک شذرہ سپرد قلم فرمایا جو "برہان" ہی کے صفحات میں شائع ہوا۔ اور جس کو پڑھکر خیال ہوا کہ "برہان" بھی ہماری بدمذاقی کی وجہ سے علمی اور خشک مگر ٹھوس مضامین کے ساتھ "تو تو میں میں" کے چٹخارے پر مجبور ہے۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

کہا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا شذرہ خود جناب مولانا عبدالعزیز صاحب ہی کے سہر لیل کا نتیجہ ہے۔ اور انہوں نے کسی مستور مگر ناممکن الخفا مصلحت کی بنا پر اس کو اپنے نام سے شائع کرنا پسند نہیں فرمایا۔ اور مولانا عبدالخالق صاحب کے نام سے شائع فرما دیا۔ اور اس دعوی میں بعض احباب کو تو یہاں تک غلو ہے کہ وہ اس مضمون کو خود مولانا عبدالعزیز صاحب کے قلم سے لکھا ہوا دیکھنا بیان کرتے ہیں۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر یہ مضمون خود جناب علامہ ہیمن صاحب کا نہ ہوتا تو "شکریہ و شکایت کا عنوان ہی غلط تھا۔ کیونکہ اگر اعزاز علی نے تعریف کی تھی یا مولانا عبدالعزیز صاحب کے فضل و کمال کا اعتراف کیا تھا اور اظہار امر واقعی بھی کوئی احسان ہے جو کہ موجب شکر ہے۔ تو شکر گذار علامہ ہیمن صاحب ہی ہو سکتے تھے۔ اعزاز علی نے جناب محترم مولانا عبدالخالق پر کونسا واقعی یا غیر واقعی احسان کیا ہے جس کی شکر گذاری کا فرض مولانا عبدالخالق صاحب ادا کرنے کو طیار ہو گئے۔ اور اگر یہ موہبانہ

عاجزانہ عرض کہ "جواب میں سخت کلامی، آبرو ریزی مقابل کی پگڑی اچھالنی، کوئی مستحسن چیز نہیں" علامہ تمنّا صاحب کی توہین بھی تو اس کی شکایت کا حق بھی علامہ ہی کو تھا۔ یہ وکالت بالشکر والشکوی اس امر کی دلیل ہے کہ پردۂ زنگاری کے پس پشت جلوہ آرا کوئی اور ہی ہے۔

افسوس ہے کہ میں اس جبر اور دلیل کے باوجود چونکہ علامہ تمنّا صاحب سے واقف ہوں، اُن کی علمی خدمات "ہر کہ خواہد سیل ویدن در سخن بیند مرا" زبان حال سے کہتی ہیں۔ اس لئے میرا وجدان اس نجی دلی کو مولانا کی طرف منسوب کرنے کی جرأت نہیں کرتا ہے، میرے نزدیک یہ اخلاقی کمزوری ہے کہ مقابل کے جوابی سہام جارحہ سے بچنے کے لئے "عز الطیار بحی کعب" کا مصداق کسیکو بنایا جائے یا بالفاظ دیگر اپنی بھینٹ میں دوسرے کو چڑھا دیا جائے، میں علامہ تمنّا صاحب کی شان کو اس سے بہت اعلیٰ وارفع سمجھتا ہوں، ورنہ میرے لئے بھی یہ دشوار نہ تھا کہ میں اپنے ۰۰ ستوں میں سے کسی دوست کو اشارہ کر دیتا اور وہ میرے جرم حقگوئی کا اعتذار مجھ سے زیادہ اسلوب حسن کیساتھ کر دیتے۔

میری خادمانہ عرض کو اول سے آخر تک مکرر سہ کرر ملاحظہ فرما لیا جائے، نہ میں نے مولانا محمد صاحب سورتی کی توہین کی، کیونکہ میں اُن کی تنقید سے ناواقف ہوں، اب سے پہلے علامہ تمنّا صاحب کی از خود رفتگی کو دیکھکر میں نے فرض بیٹھک کر لیا تھا کہ انہوں نے تنقید میں تجاوز عن الحد یا سوء ادب سے کام لیا ہوگا نہ میں نے علامہ تمنّا صاحب کی تنقیص کی، میرے مضمون کا خلاصہ تو صرف یہ تھا کہ میں علامہ تمنّا صاحب سے اس وجہ سے کہ وہ ایک ذی علم بزرگ ہیں، نیز "برہان" سے اس لئے نہ وہ علمی دفائن کو پوری ارزانی کے ساتھ عالم پر پیش کرنیوالا ہے۔ زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا ؎

نظرے بسوئے خود کن کہ تو جان دلربائی — مفگن بخاک خود را کہ تو از بلند جائی
تو ز چشم خود نہانی تو کمال خود چہ دانی — چو دُرّ از صدف بروں آ کہ بسے گرانبہائی

بہر حال مولانا عبد الخالق صاحب کا مضمون "برہان" ماہ اگست ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا، جو درج ذیل ہے۔

شکریہ و شکایت

از جناب مولوی عبد الخالق صاحب ایم۔ اے عربک کالج دہلی

"برہان" جون ۱۹۳۹ء میں بعنوان "تو تو۔ میں میں" مولانا اعزاز علی صاحب کے قلم سے جو نوٹ شائع ہوا ہے، اس کے نیک جذبہ کی داد دیتے ہوئے حسب ذیل نقاط بغرض ملاحظہ پیش کرنیکی جرأت کرتا ہوں۔

(۱) مولانا کے خط اور اس کے مؤلف کے متعلق نیک خیالات اُن کے دل کے آئینہ دار ہیں، اور اس لئے ہر طرح قابل قدر، پھر بھی حقائق ذیل کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ:-

(۲) کتاب یا مؤلف کی تحسین کے سلسلہ میں کسی خاص مدرسہ کے اساتذہ کی استاذی یا شاگردی یا طویل ذاتی تعارف کا ذکر لفیفتًا بجا نہیں، اس لئے کہ وہ جملہ علما جو اس تنگ دائرے کی حدود سے باہر ہیں اُنکی

سہ کذا فی المنقول عنہ فافہم واخرج ۱۲

بے جا حق تلفی ہوگی، وما یعلم جنود ربک الا ھو، اور یوں بھی سراسر بیجا جنبہ داری ہے جسکو اسلام روا نہیں رکھتا، کیا اسی کا یہ نتیجہ نہیں کہ دیوبند، بریلی، ندوہ اور علمائے حدیث کے مابین اسی منافرت کی بدولت آج وہ محاذ قائم ہے جس کو ایک غیور مسلمان اسلام اور کفر کے مابین قائم دیکھنا چاہتا تھا۔

(۳) مولانا کا فرمان بجا ہے، علم کسی کی میراث نہیں، یعنی کہ علمی تنقید کا ہر علم دوست کو حق پہنچتا ہے، مگر بیجا طعن وتشنیع کا کسی کو حق نہیں، طعنہ زن کو تو خود مولانا اپنے الفاظ میں "متجاوز عن الحد" "بے راہرو" "کم ظرف" "سئ الادب" اور "نادان" بتاتے ہیں۔ عربی میں ظالم اور معتدی ایسے ہی آدمی کو کہتے ہیں جسکے متعلق قرآن حکیم کا فرمان ملاحظہ ہو فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا بمثل ما اعتدیٰ علیکم واتقوا اللہ نیز آیۃ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا بھی، انہیں لفظ مثل غور طلب ہے کہ الجزاء من جنس العمل،

(۴) سو جب مولانا نے اپنے اس مبین صفحہ کے نوٹ میں منتقد پر سابق الذکر پانچ ریمارک کئے ہیں، تو کیا مولانا مبین جن کو اپنے ۱۰۰ صفحات کے مضمون میں ۵۰ ریمارک کرنیکا حق پہنچتا تھا، اپنے پورے حق کو نہ استعمال کرنیکے باوجود مورد ملامت ہوں گے۔

(۵) علاوہ آیات سابقہ کے خود مولانا اپنا حاشیہ حماسہ ملاحظہ فرمالیں (ہذیل)

دناھم کما دانوا۔ وبعض العلم عند الجھل للذلۃ اذعان

(۶) اہنسا کا اصول عجمی اور خالصۃ علیسوی یا ہندی ہے، اسلام بلکہ زندہ عیسائیت بھی اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں، اور وہ سراسر قرآنی روح کے خلاف ہے، اور نظام عالم کو زیروزبر کردینے والا ہے، آن محترم تو صدر نشین اریکہ درس دین ہیں، اس غیر اسلامی اصول کو کیسے مان سکتے تھے،

(۷) بنابریں وجوہ لازم ہے کہ یہاں منتقد کے رندانہ ریمارکوں کو بھی معارف ۱۹۳۸ء کے صفحات سے نقل کردیا جائے۔ تاکہ مولانا کی تحریر کی بنا پر کوئی یکطرفہ رائے قائم نہ کی جائے، اور طرفین کے الفاظ کے پیش نظر ہونے سے ناظرین کو بصیرت اور حقیقت تک رسائی حاصل کرنے میں سہولت ہو" آہ

اس کے بعد مولانا عبدالخالق صاحب نے توہین آمیز الفاظ کی فہرست پیش کی ہے، میں نے اُس فہرست کا بھی اعادہ نہیں کیا جو علامہ مبین صاحب کی تیز زبانی سے تعلق رکھتی تھی، اسی طرح میں اُن ہستکو بھی ترک کرتا ہوں جس کا تعلق مولانا محمد سورتی کے درشتی الفاظ سے ہے۔

ہاں! مولانا عبدالخالق صاحب کے اُن الفاظ کو چھوڑکر جن کا تعلق تند مزاجی سے ہے، اس قدر اس موقع پر عرض کرتا ہوں ؎　　کہ برہاں قوی باید و معنوی　　نہ رگہائے گردن بحجت قوی

میں تو اس خیال سے کہ "برہان" کے صفحات تشاتم وتشاتم، تصادم اور تناطح کے لئے وقف نہونے چاہئیں

؎ مگر آپ تو اسی محاذ کو دو عاملین بالحدیث میں قائم دیکھنا چاہتے ہیں، اور اگر محاذ نہو تو آپ کے خیال میں نظام عالم درہم برہم ہوتا ہے ۱۲ اسلئے آپ سعی فرمائیں کہ آئندہ مضامین میں علامہ مبین صاحب اپنا پورا حق وصول کریں، ۱۲

کچھ عرض کرنے پر مجبور ہو گیا تھا، اگر میری عرض کی غلط تعبیر نہ فرما کر صاف فرما دیا جاتا کہ ہم "کلوخ انداز را پاداش سنگ است" پر عمل کرانا اور عمل کرنا چاہتے ہیں، تو پھر میدان صاف تھا۔ میں اپنے معروض کو واپس لے لیتا، اور ضرورت نہوتی کہ سابق عرض کے بعد میں خود اسی "تو تو۔ میں میں" پر قلم اٹھاؤں، جس سے ابتک خدا نے مجھکو، میری زبان کو، میرے قلم کو محفوظ رکھا ہے۔ لیکن میری اسقدر معمولی اور غیر صعب الفہم معروض کو کہ علما کو گالیوں کی (بشرطیکہ کسی نے گالیاں دی ہوں) جواب میں گالیاں دینا نہ چاہیے، اس رنگ میں پیش کیا گیا کہ مجھکو پھر اپنا وقت اسمیں صرف کرنا پڑا۔

اپنی ان سطور کو میں برہان ہی میں شائع کیے جانیکی درخواست کرتا، اور چونکہ میرے عقیدے کے خلاف "برہان" بھی اس "تو تو۔ میں میں" سے زیادہ متنفر نہیں ہے تو اس میں اشاعت بھی زیادہ دشوار نہ تھی۔ مگر میں اب بھی اسی کا خواہشمند ہوں کہ "برہان" ہی رہے، اسی لئے میں اسکو قائد مراد آباد میں شائع کرا رہا ہوں۔ اور کارکنان قائد کی خدمت میں عرض کردوں گا کہ وہ اسکی ایک ایک کاپی بغرض اطلاع علامہ یمین صاحب اور مولانا عبدالخالق صاحب کی خدمت میں روانہ کردیں۔

اس کے بعد نہایت ادب کے ساتھ مولانا عبدالخالق صاحب ایم۔ اے عربک کالج دہلی سے دریافت کرنیکی طالب علمانہ جرأت کرتا ہوں کہ عارف شیرازی نے اصحاب خصومات کی تین قسمیں اس طرح کی ہیں،۔

دو عاقل را نباشد کین و پیکار نہ دانائے ستیزد با سبکسار
دگر ازہر دو جانب جاہلانند اگر زنجیر باشد بگسلانند

آپ علامہ یمین صاحب کو ان اقسام ثلاثہ میں سے کس قسم میں داخل کرنا چاہتے ہیں؟ بینوا و توجروا۔

آپ کے ۲ کا تعلق میری گذارش کے کسی لفظ سے نہیں، شاگردی یا استاذی کا ذکر تو فقط اس لیے تھا کہ بجز علمی خدمات کے مطالعہ کے میرا کوئی خصوصی تعلق حضرت علامہ یمین صاحب سے نہیں ہے۔ جس کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ تھا کہ میں علامہ ممدوح کی مدح سرائی میں اگر رطب اللسان ہوں تو یہ جنبہ داری نہیں ہے، جس طرح کہ مولانا عبدالخالق صاحب نے جنبہ داری کا الزام میرے ذمہ چپکا دیا۔ اور دیوبندی اور بریلویوں کی منافرت کا بغیر کسی مناسبت کے ذکر فرما دیا۔

کسقدر عجیب نکتہ ہے کہ اگر میں یہ عرض کردوں کہ میں فلاں بزرگ کے تبحر علمی سے واقف ہوں، اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے اخلاق سے متمتع ہو چکا ہوں، اور اسی لیے ان کے حسن اخلاق کا مداح ہوں، تو خوش فہم حضرات اس کا یہ مطلب لیں کہ زمین کے اوپر رہنے والے اور آسمان کے نیچے بسنے والوں میں سے صرف وہی حضرات اہل علم ہیں جنکو میں جانتا ہوں، اُن کے علاوہ دنیا بھر کے اصحاب جاہل و کنندہ ناتراش ہیں (واللہ یعلم انی بری من ھذہ الا ضاحیک) اور پھر علمار کا دائرہ تنگ ہو جائیگا اور اسی لیے ہندوستان کی مسلم جماعتیں باہم متنفر ہیں، ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

تیسرے نمبر میں (غالباً مجھکو مرعوب کرنیکی غرض سے) مولانا عبدالخالق صاحب ایم - اے نے کلام خداوندی کی کچھ آیتیں نقل کی ہیں، میں ... کی علمی بارگاہ میں نہایت ادب کے ساتھ (خدا کرے کہ غصہ نہ آجائے) عرض کرتا ہوں، کہ قرآن شریف کی ان آیتوں کے پڑھنے یا پڑھانیکا اتفاق تو ضرور رہا، مگر خدا جانے کیا بات ہے کہ ابتک میں یہی سمجھتا رہا ہوں کہ ان تمام آیات میں وجوب کا شائبہ بھی نہیں ہے - خدا جانے مذکورۂ بالا خیال صحیح ہے یا غلط اور بغیر وجہ کے ان آیات الٰہیہ کا آپ کے مفید مطلب ہونا معلوم، چونکہ ایک ایم - اے صاحب نے ان آیات قرآنیہ کو وجوب پر محمول فرمایا ہے، تو شاید واجب ہی ہوگا کہ گالی کے جواب میں گالی، تھپڑ کے جواب میں تھپڑ، اور تلوار کے مقابلہ میں تلوار سے کام لیا جائے - اب میں اسپر پھر غور کرونگا، اور اگر سمجھ میں آگیا تو جناب مولانا عبدالخالق صاحب کا بہت زیادہ شکر گزار ہونگا -

پھر یہ امر تو قابل تعجب نہیں کہ آیات بالا تو مولانا عبدالخالق صاحب کے پیش نظر ہیں، اور جادلھم بالتی ہی احسن، ولا تستوی الحسنة ولا السیئة، ادفع بالتی ہی احسن، وغیرہا کثیر آیات کی جانب نظر التفات نہ ہوئی، کیونکہ تلاوت فرمودہ آیات اور میری عرض کی ہوئی آیات پر نظر ڈالنے کے لئے قرآن پاک کی ورق گردانی کی ضرورت تھی اور وہ نصیب دشمناں ہے، مگر اس حیرت کو کس طرح زائل کیا جائے کہ جزاء سیئة سیئة مثلہا کی تلاوت فرمانے والے کی نظر مثلہا پر ہی مقصور رہجاتی ہے، اور اس سے متصل ہی فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ تک نہ پہنچ سکی، کیا ایک بے نمازی کے دعوی حرمت صلوۃ پر لاتقربوا الصلوۃ سے استدلال والی حکایت کو اسی موقع کے لئے تجویز کیا گیا تھا، اور شاید کسی شاعر نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا تھا -

لاتقربوا الصلوۃ زہیم بخاطر ہست   وازامر یاد ماند کلوا واشربوا مرا

مولانا عبدالخالق صاحب - یہی تحریر فرماتے ہیں کہ جب اعزاز علی ناقد کو متجاوز عن الحد وغیرہ قرار دیتا ہے تو مولانا عبدالعزیز صاحب کو بھی حق تھا کہ وہ ایک سو پچاس ریمارک کرتے -

میں خدام عتبہ عالیہ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اس قیاس کے ساتھ اگر فارق نہوتا تو بہت اچھا تھا - غلط ہو یا صحیح، میں علامہ یمین صاحب کے علمی مناسب جلیلہ کے مناسب یہی سمجھتا تھا کہ صرف اعزاز علی نہیں بلکہ بساتین علیہ کے تمام خوشہ چیں ناقد کی مذمت کرتے، مگر خود علامہ یمین صاحب اُن کے متعلق اپنی مبارک زبان سے کوئی ہلکا سا لفظ بھی نہ فرماتے، بلکہ اگر اُن کی مجلس میں ہم جیسی جمعیلیں اُبلنے لگتیں، لغیمانہ طبقیں علامہ یمین صاحب کی توہین پر مشتعل ہو جاتیں، تو خود علامہ یمین صاحب ہی اُن کو ٹھنڈا کرتے، اُن کے اشتعال کو کم کرتے - اور ناقد کی طرف سے اعتذار فرماتے، اور مولانا عبدالخالق صاحب کی مبارک رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص علامہ یمین صاحب کو تیز نظروں سے گھور کر دیکھے تو علامہ یمین صاحب پر فرض ہے کہ وہ اسکی ایک چھوڑ دونوں آنکھیں نکال لیں -

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب! میں تو علامہ یمین صاحب زیدت فیوضہم میں اس عدیم المثال معدوم النظیر ذات (روحی و روح ابی وامی فداہ) کا اسوہ دیکھنا چاہتا تھا - جو نا بکاروں - غنڈوں اور اوباشوں کے

پھر کھانے کے بعد بھی اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون فرمایا کرتی تھی۔

اس پتھر برسانیوالی قوم کو اپنی قوم فرما دینے میں جو شفقت ظاہر فرمائی گئی ہے وہ اہل عربیت سے مخفی نہیں، اور پھر اُن کی حرکات شنیعہ کی توجیہ بھی ساتھ ہی ساتھ ہے۔

لیکن اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ علامہ یمن صاحب کو اگر کوئی راہ چلتا دیوانہ کتا کاٹ کھائے، تو علامہ یمن صاحب بھی جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کی تلاوت فرماتے ہوئے اسپر حملہ آور ہوں، تو میں دعا کرتا ہوں کہ قادر مطلق آپکی اس تمنا کو پورا نہ کرے۔ نہ علامہ یمن صاحب اس قماش کے ہوں، نہ کوئی دوسرے صاحب علم ویرحم اللہ عبدا قال آمینا،

پانچویں نمبر میں مولانا عبدالخالق صاحب نے اپنے زعم میں مجکو خود میرے مسلّم سے ملزم بنانے کی سعی بے حاصل فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اعزاز علی نے دیوان حماسہ میں ہذیل کے اس شعر کی شرح میں لکھا ہے کہ دناھم کما دانوا،

میں متحیر ہوں کہ اگر اسی طرز استدلال کا پابند مجھکو کر دیا گیا اور مختلف شعراء کے اشعار کی شرح کرنے کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک کے قول کی تقلید مجھ پر واجب کر دی گئی۔ تو اگر میں کسی غارتگر، قزاق، مفسد کو اس کے قبائح پر سرزنش کروں، اور وہ کہنے لگے کہ آپ نے ان اشعار کے بارہ میں اپنے حاشیہ دیوان حماسہ پر کیا لکھا ہے؟ کہ

واحیانا علی بکر اخینا اذا مالم نجد الا اخانا

یا

اذا لم اجن کنت مجن جان

اس صورت میں میں اسکو کیا جواب دوں گا، یا للعجب، پھر ایک غارتگری پر ہی کیا انحصار ہے، حسن و عشق کے قصص، نساء حسان کے واقعات، ہجو و مدح، شعراء کے یہ تمام قصے اسوجہ سے مجھ پر فرض کر دیئے جاویں کہ میں نے انکی شرح کی ہے، تو میرے لئے بطن الارض خیر من ظھرھا کے سوا چارہ کار ہی نہ ہوگا۔

پھر اگر دیوان حماسہ کے اولین صفحات میں دناھم کما دانوا میں کسی نے اپنا طرز عمل بتایا ہے تو اگر مولانا عبدالخالق صاحب حماسہ ہی کے چند ورق اور الٹ دیتے (اور یہ نصیب دشمناں ہے) تو ان کو اسی دیوان حماسہ میں فلسنا بشتامین للمتشتم" وغیرہ بھی بکثرت اشعار مل جاتے؛

چھٹے نمبر میں اہنسا کے اصول کو عجمی، خالصۃً عیسوی یا ہندی فرماکر یہ بھی فرما دیا ہے کہ اسلام بلکہ زندہ عیسائیت بھی سکو ماننے کے لئے تیار نہیں، نیز یہ کہ اہنسا سراسر قرآنی روح کے خلاف ہے۔ اور نظام عالم کو درہم برہم کرنے والا ہے۔

میں نہیں سمجھتا ہوں کہ ان الفاظ سے فقط زور خطابت اور زوردار الفاظ سے مرعوب کرنا ہی مقصود ہے یا یہ الفاظ شرمندہ معنی بھی ہیں؟

میں نے ابھی چند آیات قرآنیہ پیش کی ہیں، اور ایسی آیات، و احادیث و اقوال اکابر لاتعد و لاتحصیٰ ہیں جن کا

مضمون اس شعر میں ادا کیا گیا ہے

بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اسا

ان سب کے ہوتے ہوئے بھی اسلام اسی کی تعلیم کرتا ہے کہ اگر بالفرض کسی ایک شخص نے جہالت کی وجہ سے گالیاں دی ہوں، تو اسکو جواباً گالیاں ضرور دو، ورنہ یہ اہنسا ہے، زندہ اور مردہ عیسائیت والوں کے خلاف ہے، نظام عالم درہم برہم ہو جائیگا، وغیرہ ذلک، یہ عقدہ آج ہی کھلا کہ اگر مولانا محمد صاحب سورتی کی (بالفرض والتسلیم سخت زبانی کے جواب میں علامہ ہیمن صاحب آپے سے باہر ہو کر وہ سب کچھ نہ فرما دیتے، جس پر شرافت، تہذیب، علم نوحہ کناں ہو تو اسلامی تعلیم کے خلاف ہو جاتا۔ علیگڈھ کالج اور دہلی دونوں زیر و زبر ہو گئے ہوتے۔

مولانا عبدالخالق صاحب معاف فرما دیں، اگر ممکن ہو تو مسٹر گاندھی سے یا اُن کے کسی سمجھدار مقلد سے اہنسا کے معنی دریافت فرما لیں، اور پھر خود ہی انصاف سے فرمائیں کہ کیا میں علامہ ہیمن صاحب سے اہنسا کا خواستگار ہوں، اور کیا یہ وہی اہنسا ہے جو کہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ کیا اسکو اہنسا کہا جاسکتا ہے کہ میں غایت ادب کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اگر بالفرض مولانا محمد صاحب سورتی نے علمی تہذیب کا پردہ تار تار کر دیا ہے تو علامہ ہیمن صاحب اُن کے مقلد نہ بنیں، اُن کے اعتراضات کے جوابات دلائل و براہین سے دیں۔ مگر سخت گوئی اور فحاشی میں اُن کو اپنا امام نہ بنائیں۔

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

مجھ سے ایک ثقہ نے بیان کیا کہ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک عام مجمع میں وعظ فرما رہے تھے، آپ کے مخالف بہت سے تھے۔ ایک شخص نے اسی ہزاروں کے مجمع میں کھڑے ہو کر باآواز بلند کہا کہ مولوی صاحب! ہم کو معلوم ہوا ہے کہ آپ حرامی ہیں، کیا یہ سچ ہے؟ شہید رحمۃ اللہ علیہ نے چیں بجبیں ہوئے بغیر فرمایا، کہ بھائی صاحب! آپ سے کسی نے یہ بات غلط کہدی، میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو اس وقت بھی زندہ ہیں، اس قدر فرما کر پھر اپنی تقریر شروع کر دی،

علم اس کا نام ہے کہ ایسی صریح اور سخت گالی پر بھی غصہ نہ آیا، مولانا عبدالخالق صاحب تو اسکو اہنسا فرما دیں گے۔ اُن کی رائے کے موافق تو نظام عالم نہ سہی نظام جلسہ ہی زیر و زبر ہو جانا چاہئے تھا۔ مگر واقعہ یوں ہی ہے کہ مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی اگر گالیوں پر اُتر آتے تو کشتوں کے پشتے لگ جانا مستبعد نہ تھا

ساتویں نمبر میں مولانا عبدالخالق صاحب نے ناقد صاحب کی قلمی زیادتیاں اور ہفوات شمار کی ہیں مگر ان سے میرا کوئی تعلق نہیں، میں تو پہلے ہی عرض کر چکا تھا کہ ناقد صاحب کی تنقید میری نظر سے نہیں گذری، لیکن چونکہ حضرت علامہ ہیمن صاحب جواب دیتے وقت علم کی کڑی زنجیروں کے پابند نہ رہے تھے، اس لئے میں فرض کئے لیتا ہوں کہ ناقد نے اشہب قلم کو بگٹٹ دوڑایا ہے، اس کے باوجود بھی مولانا کے فیوض اور

علوم کے مناسب اسیکو سمجھتا ہوں کہ ناقد کی مزعومہ بدلگامی کے باوجود مہیمن صاحب علمی تحقیقات ہی کے تنگ دائرہ میں رہتے تو اچھا تھا - اس صورت میں ناقد کی زلات قلم ولسان کی تعدید زائد از حاجت ہوجاتی ہے مختصر یہ ہے کہ میں اپنے اسلامی تعلیمات میں اعلیٰ درجہ ہی اس کو سمجھا ہے کہ سوقیانہ گفتگو ے جواب میں بازاری کلام نہ کیا جائے - مگر مولانا عبدالخالق صاحب کی رائے یہ ہے (خدا کرے میں غلط سمجھا ہوں) کہ اگر کلوخ انداز را پاداش سنگ ست" پر عمل نہ کیا گیا، تو اہنسا پر عمل ہوگا، جو قرآنی روح، اسلام، بلکہ زندہ عیسائیت کی بھی خلاف ہے - اور نظام عالم کو زیر و زبر کرنے والی چیز ہے -

آٹھویں نمبر میں بھی مولانا عبدالخالق صاحب نے زیادہ غور و خوض سے کام نہیں لیا - تھپڑ کے جواب میں اپنا گال جھکا دینا" کی مثال سے کم از کم میں تو انگشت بدنداں ضرور ہوں، معاف فرمایئے یہ مثال تو اس وقت صحیح ہوتی جب میں یہ عرض کرتا کہ ناقد کی گالیوں (اگر گالیاں دی گئی ہوں) کے جواب میں علامہ مہیمن صاحب یہ تحریر فرما دیتے کہ تھوڑی سی گالیاں اور دے لو میں نے یہ تو عرض کیا نہیں میں تو اس وقت تک یہی عرض کرتا رہا ہوں کہ اگر ناقد نے سوء فہم کی بنا پر آپکی توہین کی تھی تو آپ علمی دائرہ میں رہ کر اعتراضات کے مدلل جوابات دیتے اور معترض کو نرمی اور رفق کے ساتھ سمجھاتے کہ تم سے غلطی ہوئی، کیا اس خلق حسن کو پیش کرنا تھپڑ کے جواب میں اپنا گال سامنے کر دینا ہو سکتا ہے -

ایک ایم - اے کی زبان سے یہ ادعا سنکر ہم جیسے قاصر النظر متعجب ہیں کہ گالیوں کے جواب میں گالیاں نہ دینا نظام عالم کو زیر و زبر کر دے گا یہ تعلیم انبیا کی تعلیم اور روح قرآنی کے خلاف ہے، یا یہ کہ تھپڑ کھانے کے بعد تھپڑ مارنے والے کے سامنے دوسرا گال کر دینا ہے -

میں قومی مدرسہ کا ایک بوریہ نشیں ہوں، میری فہم کی رسائی ان دقائق مغلقہ تک دشوار ہے،

نویں نمبر میں آپ نے اپنے زور قلم سے معارف بلکہ عدل سلیمانی کی تعریض سے علامہ سید سلیمان ندوی کو نوازا ہے معارف اگرچہ میری نظر سے نہیں گذرتا ہے، مگر میں علامہ سید سلیمان ندوی سے واقف ہوں - مجھکو ان سے توقع ہے کہ وہ ان تعریضوں کے مقابلہ میں وہی کریں گے جو ان کی شان علم کے مناسب ہوگا -

دسویں نمبر میں ایک استفسار ہے - جس کے جواب میں مجکو اس قدر عرض کرنا ہے کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے میں اس سے محروم ہوں کہ "معارف" سے استفاضہ کروں، تاہم اگر میں اس سے مستفیض بھی ہوا کرتا تب بھی "برہان"، کو آسمان علم کا درخشندہ آفتاب سمجھکر اس میں بدزبانی، بدلگامی، فحاشی، ذاتیات پر سوقیانہ حملوں کو پسند نہ کرتا، ہاں اگر آپ یا خود ارکان ادارہ اس کو پسند کریں تو امر آخر ہے -

ضروب الناس عشاق ضروبا

اور مولانا عبدالخالق صاحب کے ارشاد آخری کے جواب میں اس قدر عرض کرنا ہے کہ میں ابتک اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ گالیوں کے جواب میں گالیاں دینا کونسی خلق حسن ہے اور میں اپنے تصور و قلت

فطانت کی وجہ سے یہی سمجھتا رہا ہوں کہ علماء کی جماعت اور ان میں بھی صف اول والی جماعت کیلئے گندگی اچھالنی کسی وقت بھی مناسب نہیں۔

کذالک ادبت حتی صار من خلقی

اور ؎ وللکف عن شتم اللئیم تکرما اضر لہ من شتمہ حین یشتم

پر عمل کرنا اصحاب علم کے لئے ضروری ہے اور یہ بھی عرض کروں گا کہ ؎

نہ مرد ست آں بنزدیک خردمند | کہ باپیل دماں پیکار جوید
بلے! مرد آنکس ست از روئے تحقیق | چو خشم آیدش باطل نگوید

میری طویل گذارش نا تمام رہجائے گی اگر ساتھ ہی ساتھ میں حضرت مولانا محمد صاحب سورتی سے بھی استدعا نہ کروں، میں نے مولانا محمد صاحب کے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے وہ علی سبیل الفرض وعلی وجہ التنزل لکھا ہے۔ اُن کی تیز زبانی کے بعض مظاہرے مولانا عبدالخالق صاحب ایم۔اے عربک کالج دہلی کے ذریعہ سے مجھکو معلوم ہوئے اُس سے قبل میں آپ کی اس تنقید سے واقف نہ تھا۔ اگر اپنی اس گذارش میں میں نے کوئی ایسا لفظ کہدیا ہے جو آپ کے لئے مناسب نہیں تو براہ کرم اسکو اہنسا میں داخل نہ سمجھ کر معاف فرمادیں اور ایک ادنیٰ طالب علم (اعزاز علی) کی اس گذارش کو قبول فرماکر اصحاب علم پر احسان کریں۔ کہ تنقید پوری قوت سے کریں مگر یہ تنقید تنقید ہی رہے۔ نہ یہ کہ غیر جانبدار حضرات اسکو نحاشی سے تعبیر کرنے پر مجبور رہوں،

وما حسن ان یعذر المرء نفسہ ولیس لہ فی سائر الناس عاذر

لیکن اگر دونوں صاحبوں کے نزدیک (خدانخواستہ) تہاجی وتشاتم ہی مناسب ہو، تو میں اپنی گذارش واپس لے لونگا۔

محمد اعزاز علی غفرلہ - ۲۲ رجب ۱۳۵۵ھ یوم جمعہ

ملفوظات مولینا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ

(از مولانا حافظ محمد یوسف صاحب انصاری گنگوہی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے ازراہ عتاب فرمایا کہ میں نے تمہیں بلایا تھا تم نہیں آئے۔ عرض کیا حضور نماز میں مصروف تھا۔ فرمایا آخر میں نے ہی تو بلایا تھا۔ (حکم نماز بھی میرا ہی بتلایا ہوا ہے) نماز۔ روزہ تمام احکام مجھ ہی سے ملے ہیں اسکی اہمیت بھی جس قدر میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ تو جب میں نے بلایا تمہیں سمجھ لینا چاہئے تھا کہ حکم نبی کی تعمیل ہر کام پر مقدم ہے)

عرض کیا کہ حضور میں بیچارہ ہوں عاجز ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ اچھا ہو اگر ہمیشہ اور ہر وقت بیچارہ اور عاجز رہے۔ جیسا حالت عجز میں اپنے کو بیچارہ سمجھتا ہے۔ حالت قدرت میں بھی بیچارہ اور خود کو مقہور حق ہی سمجھے۔ بہر صورت تیرے دو پہلو تو نہیں ہیں کہ کبھی بیچارہ اور کبھی باچارہ۔ ہمیشہ اسکی قدرت پر نظر رکھ اور خود بیچارہ۔ بے دست و پا عاجز و مسکین سمجھتا رہ۔ آدمی تو پھر ضعیف البنیان ہے۔ شیر۔ چیتے اور نہنگان دریا سب اس سے خائف اور لرزاں ہیں۔ آسمان و زمین بھی اس کے حکم کے تابع اور بیچارہ ہیں۔ وہ بہت بڑا بادشاہ ہے۔ اس کا نور چاند و سورج جیسا نہیں ہے کہ ان کے نور کے سامنے دوسری چیزیں باقی رہتی ہیں۔ جب حق تعالیٰ جل شانہ کا نور بے پردہ رونما ہوگا نہ آسمان رہے گا نہ زمین۔ نہ سورج رہے گا اور نہ چاند۔ سوائے اس بادشاہ کے کوئی نہ رہے گا۔ کل شیء ھالك الا وجہہ ترجمہ۔ بجز اس کی ذات کے ہر شے فانی ہے) ایک بادشاہ نے فقیر سے کہا کہ جب آپ پر تجلیات وانوار الٰہی کا ظہور ہو اور قرب الی اللہ کی حالت میں ہوں تو مجھے بھی یاد فرما لیجئے گا۔ فقیر نے کہا کہ جب میں اس حضور میں پہنچوں گا اور آفتاب جمال کی شعاعیں مجھ پر پڑیں گی مجھے خود تن بدن کی خبر نہ رہے گی۔ تمہیں تو کیا یاد کروں گا۔

البتہ حق تعالیٰ جل شانہ جب کسی بندہ کو منتخب فرما کر اپنا استغراق اور محویت عطا فرماتے ہیں جو بھی اس بندہ کا دامن پکڑ کر مراد مانگے گا ہلا اس کے کہ وہ بزرگ حق تعالیٰ جل شانہ کی حضور میں عرض کریں۔ حق تعالیٰ اسکی مراد پوری فرما دیتے ہیں

حکایت

کہتے ہیں کہ بادشاہ کا ایک غلام تھا نہایت مقرب اور خاص الخاص۔ جب وہ غلام بادشاہ کی خدمت میں حاضری کی نیت سے روانہ ہوتا۔ اہل حاجت اپنے حالات اور حاجتیں لکھکر اس کو دیدیتے تاکہ وہ

پیش کردے - وہ غلام تمام عرضیوں کو اپنے تھیلے میں ڈال لیتا - لیکن جب بادشاہ کی حضور میں پہنچتا تو رعب و جمال شاہی کی تاب نہ لاکر بیہوش ہو جاتا - بادشاہ ہنسی ہنسی میں اسکے سینہ جیب اور تھیلے کی تلاشی لیتا - کہ بندہ جو اس کے جمال میں مستغرق اور مدہوش ہے اس کے پاس کیا ہے - اس طرح وہ تمام عرضیاں نکال کر انکی پشت پر اہل حاجت کی حاجتیں پوری ہونیکے احکام لکھکر پھر جیب دان میں رکھ دیتا بلا اس کے کہ وہ غلام کچھ عرض کرے سب کے کام پورے ہو جاتے ایک بھی خلاف نہ ہوتا - بلکہ ان کی خواہشات سے بھی دو چند ملنے کے احکام ہو جاتے۔

دوسرے غلام جو باہوش رہتے اُن کی مجال بھی نہ ہوتی کہ کسی کی حاجت بادشاہ سے عرض کریں اور کرتے بھی تو ڈرتے ڈرتے - اس میں بھی سو میں سے اتفاقاً ایک پر حسب منشا حکم ملتا - ورنہ سب بیکار جاتے

انواع الدول و حریۃ الملل

حکومت اور قومی آزادی کی قسمیں

آج جبکہ ہندوستان آزادی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ ہم نہایت مسرت اور فخر کے ساتھ اس نایاب اور بصیرت افروز مضمون کا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ جو مفکر مشرق۔ مجاہد حریت۔ حضرت علامہ جلیل مولانا محمد بن عبداللہ عرف مولانا منصور انصاری مقیم کابل مدظلہ العالی کے قلم مبارک کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ علامہ موصوف نے دنیا کی تمام حکومتوں کے طرز و طریق کا عمیق مطالعہ فرما کر ان کے انواع و اقسام بیان فرماتے ہوئے اسلامی حکومت کا نقطہ نظر بیان فرمایا ہے۔

علماء ہند جبکہ سیاست میں پیش پیش ہیں۔ تو ان کے لئے اس مضمون کا نہ صرف مطالعہ بلکہ اسکو محفوظ اور ازبر کرنا نہایت ضروری ہے۔

ہمیں توقع ہے کہ ناظرین کرام اس مضمون کی اہمیت کو پوری طرح محسوس فرمائیں گے اور اس کو رسالہ قائد کی شاندار خدمت سمجھیں گے۔ علامہ موصوف کا یہ مضمون فارسی میں ہے۔ خاکسار اس کا عام فہم ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے گا۔ واللہ الموفق۔ محمد میاں عفی عنہ

الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمن الرحیم مالک یوم الدین۔ الملک القدوس۔ السلام القوی المتین — والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ و اشرف عبادہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ و خلفاءہ اجمعین

تمہید

اہل بصیرت بخوبی واقف ہیں کہ جس طرح زید۔ عمر۔ یعنی انسانی افراد کی ترقی درجہ بدرجہ ہوتی ہے۔ اسی طرح بشریت اور انسانیت کی ترقی تدریجی ہوئی۔

پیدائش کے وقت ایک انسان گوشت کا پارچہ ہوتا ہے۔ کمزور اور بے دست و پا۔ بے بس اور بے زبان۔ نہ ادراک رکھتا ہے اور نہ تمیز۔

مگر اس ننھی سی جان میں دنیا بھر کی قابلیتیں اور کیسی عظیم الشان استعداد اور بے پناہ طاقت ودیعت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ لگانا اس وقت دشوار ہوتا ہے۔

تم نے املی کے بیج کو دیکھا۔ چھوٹی سی بے حقیقت چیز ہے۔ مگر یہ تناور درخت جس کے سایہ میں ایک خاندان پناہ لے سکے اسی ننھے سے بیج کا پھیلاؤ ہے۔

اس بے بس اور ناتواں بچے کی تربیت کیلئے اور اس کی حیرت انگیز قوتوں کے صحیح صحیح نشوونما کے لئے سب سے پہلے مادر مہربان مقرر ہوتی ہے اس کے بعد جامعہ بشریت کے مرکزوں کی جانب سے ابتدائی معلمین پھر اوسط درجہ کے مربی - اور اس کے بعد اعلیٰ اور انتہائی درجہ کے اساتذہ اور پروفیسر مامور ہوتے ہیں - جو اس کی چھپی ہوئی طاقتوں کو بروئے کار لاتے ہیں - اور اس کو فضیلت کی دستار و فضل وکمال کی سند عطا فرماتے ہیں -

اب وہی گوشت کا پارچہ - جوان رعنا - اور اپنی دماغی قوتوں میں ایک نونہال کامل بنکر میدان میں آتا ہے - اور ہر قسم کے انفرادی اور اجتماعی بار کو اٹھانے کے لئے خود کو پیش کرتا ہے - اور جامعہ بشریت کا عظیم الشان رکن بنجاتا ہے -

تم تاریخ عالم پر غور کرو - جامعہ بشریت - یعنی انسانیت کی ترقی کو بھی بعینہ ایسا ہی پاؤگے -

ایک زمانہ وہ تھا کہ انسانیت عہد طفولیت میں تھی تو حضرت آدمؑ اور حضرت شیث علیہما السلام جیسے انبیا جن کو مادرِ انسانیت کہنا چاہئے - اسکی تربیت کے لئے مامور ہوئے -

ان دونوں نبیوں (علیہما السلام) کے بعد دوسرے انبیاء تشریف لائے جنکو ابتدائی درجہ کے مشفق اساتذہ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے - اور انہوں نے انسانیت کے علمی درجہ میں کچھ اور اضافہ کیا - پھر اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ شروع ہوا - جنہوں نے اوسط درجہ کی تعلیم سے انسانیت کو نوازا -

آخر میں انسانیت کو آخری اور مکمل تعلیم دینے کے لئے اور اسکی اعلیٰ تربیت کیلئے وہ اولوالعزم اور عظیم المرتبت رسول مبعوث ہوئے جن کو ازل ہی میں اس کے لئے منتخب فرماکر ختم الانبیاء کی حیثیت دی جاچکی تھی - اور جن پر نبوت کا سلسلہ اور انسانیت کی الہامی تعلیم ختم کرکے جامعہ بشریت کو تکمیل کی سند حضرت حق جل مجدہٗ کی جانب سے دیدی گئی اور وفات سے چند ماہ پیشتر عرفات کی مقدس پہاڑیوں میں خداوندی وحی نے اعلان فرمایا

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا — آج میں نے تمہارا دین مکمل کردیا - تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا -

جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی انتہائی اور آخری تعلیم میں تمام ترقی یافتہ اور اعلیٰ درجہ کے اقتصادی - سیاسی اور مدنی نظریوں کا نشان دیدیا گیا -

---

ع انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ درحقیقت انسانیت کے لئے تعلیمی سلسلہ تھا -

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم ایاتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمۃ و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون - — جس طرح ہم نے تمہارے اندر تم میں سے رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمکو سنوارتا ہے تمہیں کتاب اور دانش کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے -

---

اس آیت کی تفسیر انشاءاللہ ایک مستقل رسالہ میں عرض کرونگا جسکا نام حکومت الٰہی ہوگا - تاکہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیمی مرتبہ کی عظمت معلوم ہوجائے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کو اندازہ ہوجائے کہ ان کا فرض کیا ہے -

لہذا اب اون نظریات و اعمال کا اختیار کرنا (جو انسانیت کے ابتدائی یا وسطی دور میں اختیار کئے گئے تھے۔ اور اس وقت اونکو ضروری سمجھا گیا تھا) سراسر عبث۔ بے محل اور بے وقت ہوگا۔ بلکہ اس امر کی دلیل ہوگا کہ انسان کی پست روح انتہائی معلم اور آخری پروفیسر کے ان بلند ترین اور عظیم الشان نظریوں کے سمجھنے اور اُن سے استفادہ کی اہلیت نہیں رکھتی اور وہ انسانیت کے اعلیٰ ترین مرتبہ تک اب تک نہیں پہنچ سکی

آج جبکہ دنیا نظریہ ارتقا کو بدیہی چیز قرار دے رہی ہے تو تہذیب و سیاست کے ان ارتقائی مدارج کو تسلیم کرنے میں بھی کوئی تامل نہ ہوگا۔

مگر اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکمل اور مکمل تعلیمات کے بعد کسی دوسری آسمانی یا اختراعی اور ایجاد کردہ تعلیم کو اختیار و قبول کرنا سراسر عبث اور کفران نعمت ہوگا۔ اور "رب الناس" "ملک الناس" "الٰہ الناس" کی بارگاہ میں کبھی بھی شرف قبولیت نہ حاصل کر سکیگا۔ بلکہ حضرت حق جل مجدہ کی ناراضگی اور جامعہ انسانیت کے خسران و حرمان کا سبب ہوگا۔

من تبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ	جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی اتباع کرے
وھو فی الاخرۃ من الخاسرین (قرآن حکیم)	اس سے وہ ہرگز قبول نہوگا۔ اور آخرت میں خاسر اور محروم رہیگا۔

(۲)

انسان مدنی الطبع ہے۔ اُس کی فطرت اجتماعی واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کے فکر اور اسکی ذات پر انفرادی فرائض کی بہ نسبت اجتماعی فرائض اور جماعتی وظائف کی حکومت حکم فرما رہتی ہے۔

مشاہدہ ہے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون۔ عمومی منافع اور اجتماعی ضروریات کے مقابلہ میں انفرادی اور شخصی منافع کو پرکاہ کی برابر بھی وقعت نہیں دیتے۔ اور مدنی الطبع انسان مدنی اصول کے لئے ہمیشہ سر تسلیم خم رکھتا ہے۔

لہذا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں جو تمدن و ترقی کا دور اور بشری کمالات کی انتہائی منزل ہے امت کے اجتماعی امور۔ انفرادی ضرورتوں کے مقابلہ میں زیادہ لازم اور زیادہ واجب العمل ہوں گے۔ اور اُن کے مقابلہ میں ذاتی احکام اور فرائض کی حیثیت نظر انداز ہوگی۔

مفکرین ملت جو عمومی جہاد۔ اور مفاد عامہ کے فقہی اصول۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے پیشتر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب نیز غزوہ خندق میں فرض نمازوں کی تاخیر وغیرہ وغیرہ کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں وہ مذکورہ بالا اجتماعی اصول کی صداقت سے کبھی بھی انکار نہیں کر سکتے۔

لہ دیکھا ہوگا۔ مادر مشفق بچے کو لکڑی دیدیتی ہے جسکو گھوڑا فرض کرکے بچہ اُسکو ٹانگوں کے بیچ میں لئے پھرتا ہے۔ اور خوش ہوتا پھرتا ہے کہ وہ گھوڑے پر سوار ہے۔

ظاہر ہے کہ وہ لکڑی گھوڑا نہیں۔ مگر عہد طفولیت کے قطعاً مناسب ہے۔ اگرچہ اس کے بعد اس فعل کو عبث و قابل مضحکہ قرار دیا جاتا ہے۔ سابق انبیاء علیہم السلام کے زمانہ کا تمدن و سیاست وغیرہ ترقی یافتہ دور کے مقابلہ میں یہی حیثیت رکھتے تھے۔

مگر افسوس مسلمان ایک دراز عرصہ سے اس حقیقت کو فراموش کر گئے۔ انہوں نے اسلام کے صحیح اور صادق اجتماعی اصول اور احکام کو پس پشت ڈالدیا۔ اور بلا شبہہ وہ خداوند عالم کے قہرناک ارشاد کے مخاطب بن گئے

افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض کیا کتاب اللہ کے ایک حصہ پر ایمان لاکر دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو اور در حقیقت یہی سبب ہے کہ وہ اس کی لازمی جزا کے تختہ مشق بنے ہوئے ہیں۔ یعنی دنیا کی رسوائی اور آخرت کا سخت عذاب (معاذ اللہ) ——— لہذا ہم نے محسوس کیا کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم مسلمانوں کو ان کے فراموش کردہ فرض کی طرف متوجہ کریں وباللہ التوفیق

الحمد للہ کہ خداوند عالم نے اپنے اس ناچیز بندہ کو رسالہ "حکومت الٰہی" اور رسالہ "دستور اساسی امامت امت" کی توفیق بخشی (جو رسالہ "قائد" کی گذشتہ اشاعتوں میں شائع ہو چکے ہیں اور کتب خانہ فخریہ مراد آباد سے ۵ر کے ٹکٹ بھیجنے پر مل سکتے ہیں ——— اس وقت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی اقسام اور قومی آزادی کے مراتب پر ایک اجمالی تبصرہ کرکے حکومتوں کے ان دستوروں اور نظاموں کو بھی پیش کر دیا جائے جو امامت امت کے مخالف اور اس کی ضد ہیں۔ تاکہ امامت امت کی اہمیت اور اس کی خوبی واضح طور پر روشن ہو جائے (الاشیاء تعرف باضدادہا)

ہماری آرزو ہے کہ ہم واضح کر دیں کہ اجتماعیات کے میدان میں جو خدمت حضرت رسالت پناہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دماغ کامل نے انجام دی ہے کس قدر مستحق تحسین اور آفرین ہے۔ پھر یہ واضح ہو جائے گا۔ کہ اس عہد ترقی میں نوع انسان کو اس ملوکیت کی طرف متوجہ کرنا جو انسانیت کے ابتدائی دور کا ایک طفلانہ کھیل تھا جب کہ انسان ایک غیر مسئول۔ زندگی بسر کر رہا تھا۔ کس قدر بے محل بے موقعہ اور رجعت پسندانہ حرکت ہے۔

پس ملوکیت اجزائی[1] اگر انسان کے ابتدائی دور میں رب متعال کی بارگاہ میں مقبول بھی ہو۔ لیکن کمال انسانی کے دور میں قطعاً ممکن نہیں کہ وہ درجہ قبولیت حاصل کر سکے۔ اور رب رحیم کی جانب سے اس کا حکم کیا جائے۔ بلکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف دستور امامت[2] اور دستور خلافت رسالت ہی کا حکم کیا جا سکتا ہے اور بس

[1] ملوکیت کی دو قسمیں ہیں۔ ملوکیت تشریعی۔ یعنی ڈکٹیٹری۔ جس میں ایک شخص کا حکم ہی قانون ہو۔ بہ شرط۔ جمہوریت اور راشتراکیت کے بالمقابل ہو۔ تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی) اور اصطلاح موجودہ میں شخصی حکومت یا مطلق العنان اور غیر مسئول حکومت (ڈکٹیٹر شپ) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی حکومت اسلامی نقطہ نظر سے صرف حضرت حق جل مجدہ کا حصہ ہے۔ جو غیر خدا کے لئے کسی طرح بھی جائز نہیں۔ دوسری قسم ملوکیت اجزائی۔ یعنی علا شہنشاہیت۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ قانون ایک شخص کے ہاتھ میں نہیں۔ مگر عملی طور پر شان و شوکت شاہانہ ہوتی ہے۔ مرصع تاج سر پر۔ تخت سلطنت زیر پا۔ آگے پیچھے خدام اور نقیب و چوبدار دست بستہ وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی ملوکیت۔ انسان کے وسطی دور میں جائز تھی۔ چنانچہ طالوت کو پھر داؤد علیہ السلام۔ سلیمان علیہ السلام کو اسی قسم کی ملوکیت بخشی گئی۔ مگر حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد ترقی میں اسکو بھی منسوخ اور ممنوع العمل قرار دیا گیا۔ اور ترقی پذیر انسان کو مساوات تامہ اور کاملہ کا درس دیا گیا ——— آج اسلام کے تمام عملی افراد پر فرض ہے کہ اپنی ذاتی حشمت و شوکت کی تعمیر میں انسانی مساوات کے قصر مبارک کو منہدم اور سرنگون کر دیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت شیخین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز پر اپنی معاشرت کو ہموار کرکے مخلوقات کے سامنے اسلامی مساوات کا نمونہ پیش کریں ۱۲ منصور عفا عنہ

[2] خلافت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک خلافت رب العالمین۔ اور دوسری خلافت رسالت۔ خلافت رب العالمین کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہ کی جانب سے براہ راست کوئی شخص امت کے لئے مقرر ہو۔ یہ صرف انبیاء علیہم السلام کی شان ہے اور انبیاء علیہم السلام خلیفہ رب العالمین ہوتے تھے (دوسری خلافت رسالت) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور خلیفہ۔ جنکو امت نے منتخب کیا ہو۔ خلفاء راشدین کی یہی شان تھی رہے امام مہدی آخر الزماں۔ چونکہ ان کا انتخاب امت کے مشورہ اور رائے سے نہ ہوگا بلکہ حضرت حق جل مجدہ کی جانب سے اُن کا تقرر ہوگا۔ چنانچہ احادیث مقدسہ میں انکو "خلیفۃ اللہ المہدی" کہا گیا ہے۔ لہذا وہ خلیفۃ اللہ ہوں گے۔ مگر چونکہ سلسلہ نبوت حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے۔ لہذا وہ نبی نہ ہوں گے بلکہ قرآن حکیم کے احکام پر عمل کرتے ہوئے قرآنی اصول پر دستور حکومت و امامت نافذ کریں گے ۱۲ منصور

خلافت رب العالمین کا دور حضرت رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا۔
اور خلافت رسالت - (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی) کا دور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ سے شروع ہوا ہے۔
مگر عالم اسلام کی نادانی اور ناحق شناسی کے باعث بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیائے انسان کی کور دانشی اور کوتاہ فہمی کے سبب سے جبکہ خلافت کا صحیح نقشہ دنیا سے محو ہو گیا ــــ اور عموماً اسلامی ممالک میں ناجائز ملوکیت نے اور دیگر ممالک میں یورپ کے تازہ اجتماعی نظاموں اور جدید دستوروں کی حکومتوں نے اسکی جگہ لے لی اور اس صورت سے بشریت اور جامعہ انسانیت صحیح اور فطری اجتماعی دستور سے محروم ہو گیا۔ تو مجھ آوارہ وطن کی قلبی کوشش ہے کہ عالم بشریت کو اس گمراہی سے نجات دیکر اسکی اجتماعی فطرت کی جانب رہنمائی کروں۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط المستقیم۔

محققین بلند فطرت سے کامل امید ہے کہ اس آوارہ وطن گرفتار محن کی ناقص جدوجہد کو انصاف نیز اصلاح کی نظر سے ملاحظہ فرما کر اپنی نیز عالم انسانی کی فلاح و سعادت کی فکر فرما کر ابدی راحت اور ابدی فخر و امتیاز حاصل کریں گے۔

یا ایھا الذین آمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم۔ یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ آمین

الداعی: آوارہ وطن و ننگ اسلام و اسلاف ابوالمحامد محمد بن عبداللہ الانصاری۔ المعروف منصور انصاری۔ مقیم کابل۔ افغانستان

حکومت

تعریف حکومت | کسی ملک اور باشندگان ملک کے اجتماعی امور پر کسی ایک ذات یا کسی جماعت کو مالکانہ[ف] تصرفات کا کلی اقتدار حاصل ہونا (حکومت کہلاتا ہے)

اصطلاحی نام | اصطلاحات کے بموجب حکومت کا دوسرا نام قوت تقنین و تشریع (یعنی قانون ساز جماعت) ہے اور اقتدار اعلیٰ "ہائی کمانڈ" بھی اسی کو کہا جاتا ہے۔

ف حکومت الٰہی کے دستور سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم کے حاکمانہ تصرفات اُس کے مالک ہونے پر مبنی اور موقوف ہیں۔ اور انسانی ملوکیت اور حکومت کے دستور اساسی بھی واضح کرتے ہیں۔ چنانچہ انسانی ملوکیت کے حدود مملکت میں یہی اعلان کیا جاتا ہے کہ ملک و رعیت بادشاہ کا مال ہے۔ اس کے ماسوا دستوری اور جمہوری حکومتوں میں مجلس شوریٰ کے عمومی تصرفات بھی یہی بتاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ جمہوری حکومتوں میں اراکین اسمبلی اور ممبران پارلیمنٹ کو باشندگان ملک کا نمائندہ اور وکیل قرار دیا جاتا ہے اور اس صورت سے وہ بذات خود مالک نہیں تو مالکوں کے وکیل مانے جاتے ہیں۔ بہرحال تصرفات مالکانہ ہوتے ہیں۔

تقسیم حکومت

حکومت کی چند مختلف اور متضاد قسمیں ہیں۔ مگر تقسیم حکومت کا سمجھنا اجزار حکومت کے سمجھنے پر موقوف ہے لہٰذا اقسام حکومت کے بیان سے پیشتر ادارہ حکومت کے اجزا بیان کئے جاتے ہیں۔

اجزار حکومت دنیاوی دولتیں دو جزسے مرکب ہوتی ہیں (۱) قوت فرمانفرمائی۔ یا قوت حکم۔ یعنی تشریعی اور تقنینی قوت۔ جسکو موجودہ اصلاح میں قانون ساز جماعت یا لیجسلیٹو اسمبلی کہتے ہیں (اگر ملک مکمل طور پر آزاد ہو تو اسی کا نام اقتدار اعلیٰ یا ہائی کمانڈ ہو گا۔ (۲) قوت تنفیذ احکام۔ یا قوت اجرائی۔ یعنی اسمبلی کے بنائے ہوئے قانونوں کو جاری کرنے کی قوت (مثلاً پولیس۔ فوج۔ عدالت وغیرہ)

بادشاہ یا شہنشاہ حکومت کا جزاول۔ یہی فرمانفرما قوت ہے۔ جس کو ملوکیت کی اصطلاح میں بادشاہ۔ شہنشاہ۔ سلطان یا ملک کہا جاتا ہے۔ اور حقوق اساسی کی جدید اصطلاح میں قوت تشریعی یا قانون ساز قوت سے اس مفہوم کی تصویر کھینچی جاتی ہے۔ حاصل ایک ہے۔ یعنی غیر مسئولیت۔ یعنی کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہو۔ یہ اقتدار اگر ایک شخص کو حاصل ہے تو اسکو شاہ یا شہنشاہ وغیرہ کہتے ہیں۔ اور جماعت کو حاصل ہے تو اسکو قانون ساز جماعت کہا جاتا ہے۔

صدارت عظمیٰ یا کابینہ وزارت حکومت کا جزدوم یعنی قوت اجرائی درحقیقت جزواول کے ماتحت اور اس کی فرمانبردار ہے۔ قوت تشریعی یا قانون ساز طاقت نے جو قانون بنادئے ان کو نافذ کرنا۔ خود عمل کرنا اور دوسروں سے کرانا۔ اس کا کام ہے۔ یہ درحقیقت حکومت نہیں۔ بلکہ فرمانبرداری ہے۔ اگرچہ غلطی سے عام طور پر اسی کو حکومت اور گورنمنٹ کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ ایک بارکش گروہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے لسان سلطانی اور شہنشاہی زبان میں۔ وزارت یعنی بارکش اور باربردار اس کا خطاب ہوتا ہے۔

علمار حقوق اساسی۔ صدارت عظمیٰ۔ ریاست وزرار۔ یا کابینہ سے اسکو تعبیر کرتے ہیں۔ اس قوت کو ہر زمانہ اور ہر دور میں مسئول اور جوابدہ قرار دیا جاتا ہے۔ قوت تشریعی اور قانون ساز جماعت ہی اسکو قائم کرتی ہے۔ اور یہی جماعت اسکو معزول کرسکتی ہے۔ اور اس سے بازپرس کر سکتی ہے۔ جزدوم یعنی وزارت کے تغیرات سے حکومت میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ حکومت کا تغیر دراصل پہلے جز یعنی قوت قانون ساز کے تغیر پر موقوف ہوتا ہے۔ اور اسی کے بموجب اس کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ اور مختلف آثار کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

ہندوستان کی موجودہ منسٹریاں بطور مثال پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہ درحقیقت خود مختار نہیں بلکہ نیم آزاد ہندوستان میں گورنروں اور اسمبلی کے ماتحت ہیں۔ آزاد ممالک صرف اسمبلی یا پارلمنٹ کے ماتحت ہوتی ہیں موجودہ دستور کے بموجب اسمبلی صرف وزیراعظم کا انتخاب کرتی ہے۔ اور وزیراعظم دیگر وزرا انتخاب کرتا ہے بہرحال وزارت قائم کرنا اسکو معزول کرنا اسمبلی کا کام ہے۔ چنانچہ بدا عمالی کے باعث متعدد وزارتیں معزول ہو چکی ہیں شہ پنجاب کی اسلامی وزارت میں عنایت اللہ جیسا مجاہد آزاد اور عطاء اللہ شاہ بخاری گرفتار اور یوپی کی کانگریسی وزارت ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ اسمبلی میں کانگریسی جماعت غالب ہے۔ لہٰذا اسکی وزارت بھی اسی جیسی ہے۔ ۱۲

متحدہ قومیت اور اسلام

تبصرہ بر تبصرہ —— (از مولانا رونق علی صاحب صدیقی - فاضل دارالعلوم دیوبند)

عرصہ ہوا رسالہ "طلوع اسلام" میں ایک مضمون رازی صاحب کے قلم سے نکلا ہوا دیکھا تھا جس میں رازی صاحب نے متحدہ قومیت اور اسلام مصنفہ حضرت الشیخ امیر الہند مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی پر تبصرہ کیا تھا - رازی صاحب نے لفظ متحدہ قومیت کے معنی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے نیز ملک کے موجودہ واقعات کو توڑ مروڑ کر بیان فرماتے ہوئے یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ حضرت مولانا موصوف "متحدہ قومیت اور اسلام" کی تصنیف سے مسلمانوں کو ایک ایسے دین کی طرف دعوت دے رہے ہیں جو ہندوستان کی اقوام کے مختلف مزاجوں اور رسومات سے مرکب کر کے تعمیر کیا گیا ہو - جیسا کہ دین اکبری اکبر شاہ کے زمانہ میں رائج کیا گیا تھا - ہم نے اس مضمون کو دیکھا اور قطعاً اسکی ضرورت محسوس نہ کی کہ اسکے متعلق کچھ لکھا جائے - اس لئے کہ ہمیں یقین تھا کہ یہ ادعاء اپنے ثبوت میں تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے خود مدعی رازی صاحب اس دعوی کی اشاعت پر وقف ندامت ہو گئے - اگر کوئی انسان جسکو قدرت نے جوہر شعور سے نوازا ہو - متحدہ قومیت کو دیکھے تو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال اسکے دماغ میں نہیں آسکتا - جسکا اظہار رازی صاحب نے کیا ہے

آج اکتوبر کا "برہان" نظر کے سامنے ہے - متحدہ قومیت اور اسلام پر ایک مضمون شمس العلماء مولانا عبدالرحمن صاحب نے سپرد قلم فرمایا ہے جسکا مآل اجمالی طور پر یہ ہے کہ مسلمان موجودہ وقت میں غیر مسلم اقوام کے ساتھ اتحاد کسی طرح نہیں کر سکتے - کلام اللہ اور عمل رسول اللہ صلعم نے خود اسکو منسوخ کر دیا تفصیلی طور پر جو باتیں مفہوم ہوتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں - ان تمام باتوں کا تفصیلی طور پر جواب دیا جائے گا - انشاء اللہ -

(۱) ۵۳-و۴ صفحات تک کتاب سمجھ میں نہیں آتی (۲) رسالہ کی مذہبی بحث کا محور رسول اللہ صلعم کا نامہ مبارک ہی ہے (باقی سب ادلہ قرآنیہ یا لغویہ یا اشارۃً یا نص عقلیہ ہیں - "ہم رجال و نحن رجال" کہکر معاملہ کو ختم کیا جاسکتا ہے) (۳) رسالہ کی مذہبی حیثیت پر جناب مولانا موصوف اظہار خیال فرمائیں گے - سیاست اور سیاسی تطبیق سے قطعاً احتراز ہوگا مصلحت اسی میں ہے - (۴) مصنف متحدہ قومیت اور اسلام نے نامہ مبارک کو بتمامہ نقل نہیں کیا - جو علمی دیانتداری کے خلاف ہے (۵) نامہ مبارک بوجہ انقطاع اسناد کے استشہاد میں پیش نہیں کیا جا سکتا (۶) اگر پیش بھی کیا جائے تو اس نامہ مبارک سے وہ متحدہ قومیت مفہوم نہیں ہوتی - جو مصنف متحدہ قومیت اور اسلام نے رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب کی ہے (۷) پھر اگر وہی ثابت ہوتی ہو تو اب لا کلام منسوخ ہو چکی - عمل رسول اللہ اور کلام اللہ نے دائمی طور پر منسوخ کر دیا (۸) جناب شمس العلماء صاحب موصوف کی تحقیق میں بنو قینقاع بنو نضیر بنو قریظہ معاہدہ میں شامل نہ تھے ابو عبید اور ابن ہشام نے جو کچھ کہا ہے وہ غلط ہے اور غلط ہونیکی دلیل شمس العلماء صاحب کا خود ساختہ اجتہاد ہے (۹) اگر متحدہ قومیت ثابت ہوتی ہی ہے تو ایسی تو بتاؤ - جیسی کہ رسول اللہ صلعم نے بنائی تھی کہ اس میں مسلمانوں کا درجہ متبوع ہونیکا تھا اور غیر مسلم تابع جیسا کہ الفاظ من تبعنا الیہود الخ (جو لوگ ہمارے ساتھ ہونا چاہیں وہ ہماری اجازت کے بغیر مدینہ سے باہر جا سکینگے) سے ثابت ہوتا ہے (۱۰) صاحب متحدہ قومیت اور اسلام نے یہود بنی اسرائیل کو معاہد قرار دیا ہے - یہ کل دو دفعات

ہیں جو مولانا شمس العلماء صاحب کے نزدیک محل نظر اور وزنی اعتراضات ہیں اور اُن کی بنا پر شمس العلماء کا فتویٰ حضرت مولانا ایشیخ مصنف متحدہ قومیت کے متعلق یہ ہے کہ وہ خائن ہیں اور اسلامی تعلیمات کے محرف - مذکورہ اعتراضات کے جوابات بالتفصیل ذکر کئے جاتے ہیں - ہمیں جو کچھ شمس العلماء صاحب کی تحریر و تحقیق پر شبہات ہیں اُن کا تذکرہ انشاء اللہ العزیز اس وقت ہوگا جب کہ مذکورہ اعتراضات کے جوابات کا سلسلہ اختتام کو پہنچ جائے گا -

رونق علی صدیقی علوی - سہسور

دفعہ اول - ۳۵-۳۶ صفحات تک کتاب خاطر خواہ سمجھ میں نہیں آئی - ہم جناب شمس العلماء صاحب کے گذارش کرینگے

کہ کتاب متحدہ قومیت اور اسلام ڈاکٹر اقبال کے اُس مضمون یا جواب الجواب کی روشنی میں لکھی گئی ہے جو اقبال نے اپنے آخری ایام میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر لکھا تھا - اور ڈاکٹر اقبال نے اس لفظی بحث کو جو لفظ قوم کے متعلق شروع ہو گئی تھی یہ کہکر ختم کر دیا تھا کہ اگر مولانا موصوف کا منشا اخبار نقل اشارہ نہ تھا تو میں بحث ختم کرتا ہوں - مصنف متحدہ قومیت اور اسلام نے ابتدائی صفحات

ہے - لیکن ہم انتہائی افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ جناب شمس العلماء صاحب آپکو جب اس بات کا مطلق علم ہی نہیں ہے کہ کتاب کس اسپرٹ اور کس روشنی میں لکھی گئی ہے اس کا مالہ و ماعلیہ کیا ہے حقیقی بحث کے تمام گوشے آپکے پیش نظر نہیں ہیں - سلسلہ گفتگو کا موقع صحیح طور پر معلوم نہیں تو اس صورت میں آپکو تنقید کا کیا حق پہنچتا ہے - حالانکہ اہل نظر و فکر کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ اسوقت تک کسی امر پر اعتراض یا تنقید نہیں کی جا سکتی جب تک کہ معترض امر معترض علیہ کو صحیح طور سے نہ سمجھ لے - اس پر طرہ یہ ہے کہ آپ اپنے سمجھے ہوئے کو ارباب علم اور اہل فکر کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں - اپنے مزعومات کو آپ فرماتے ہیں کہ فقط احقاق حق ہے - خود فیصلہ فرمایئے کہ آپکے سمجھے ہوئے کی اہل علم اور ارباب فکر کے نزدیک کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے - ہمیں بہت ہی مسرت ہوتی اگر آپ اچھی طرح سمجھکر تنقید فرماتے اس لئے کہ تنقید کا ہر عاقل کو حق ہے - یہ کہنے کی مطلق گنجائش نہیں ہے کہ اگر ۳۵-۳۶ صفحات نہ سمجھے گئے تو کیا ہوا - باقی رسالہ تو سمجھا گیا - اُسپر تنقید کی گئی - اسلئے کہ متحدہ قومیت اور اسلام ایک مستقل مضمون ہے - وہ شروع سے لیکر آخر تک مربوط ہے - وہ کوئی ادب کی کتاب نہیں ہے جس میں کسی حکایت کا تعلق دوسری حکایت سے نہیں ہوتا نہ وہ مسائل فقہیہ کا کوئی رسالہ ہے جس میں مختلف مسائل ابواب و فصول کے تنوع کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں - بلکہ وہ اول سے آخر تک ایک ہی مسئلہ ہے جس کا ہر ایک حصہ دوسرے حصہ سے مربوط ہے - لہذا جب تک اس کے تمام گوشوں اور پہلوؤں پر نظر نہ کیا جائے - اس کا جواب دینا ہمارے نزدیک تو نہایت عجیب حرکت ہے اور پھر چونکہ ایک خاص رد و قدح کے نتیجہ میں یہ مضمون تحریر ہوا تھا جس کے لئے مخصوص ماحول تھا ، تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس تمام نقشہ کو سامنے لائے بدون کوئی جواب کس طرح قابل التفات ہو سکتا ہے ،

(باقی آیندہ)

پرانے لفظوں کی نئی تحقیق

ہمارے مخلص ظفر اندوری نے کل ستمبر کا معارف دیکھنے کیلئے دیا۔ اس میں چند پرانے لفظوں کی نئی تحقیق کے عنوان سے بعض اکابر کے تبصرے دیکھنے میں آئے۔ یہ سلسلہ علاوہ ادبی ہونے کے دلچسپ بھی ہے اس لئے احقر نے بھی ایک حقیر یادداشت قلم بند کی ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے (محمد شفیع اللہ سہسرامی)

(۱) فرشتہ کی اصل فرستہ ہے یعنی بھیجا ہوا۔ (۲) غور کے معنی تہ اور گہرائی کے ہیں غور کرنیکا محاورہ بھی یہی ہے گہرائی کو پہونچنا یہ لفظ عربی ہے (۳) عید، عود سے ماخوذ ہے چونکہ ہر سال خوشی و مسرت کے ساتھ عود کرتی ہے اسلئے عید کہتے ہیں (۴) طراوت اور تراوٹ میں کتنا تھوڑا فرق ہے۔ اسی طرح صندل اور چندن کتنے متقارب المعنے ہیں (صراحی یا تو صراح سے ماخوذ ہے جس کے معنی خالص شراب کے ہیں یا سرا سے لیا گیا اسکے معنی بھی ہندی میں شراب کے آتے ہیں بہر صورت یہ نسبتی ہے صراحی کے معنی یہ ہوئے شراب والا ظرف۔

(۶) کافر، کفر کے معنی ڈھانکنے کے ہیں منکرین کو اسلئے کافر کہتے ہیں کہ فطرت سلیمہ پر اپنے توہمات اور اعتقادات باطلہ کا پردہ ڈالتا ہے (۷) کاغذ اس کی اصل کاغ ہے جس کے معنی آواز اور فریاد کے آتے ہیں ظاہر ہے کہ اس میں صوت و آواز ہی قلم بند کیجاتی ہے۔ عام طور سے لوگ سمجھتے ہیں کہ قینچی ہندی کا لفظ ہے مگر ایسا نہیں ہے قیچی بغیر نون ترکی لفظ ہے ادنی تغیر سے قینچی ہو گیا:

حکیم سوزنی آں تیز قیچی فطرت
کہ بودہ ابرہ ہزلش ہمیشہ آستر م

(۱۰) قرآن مصدر ہے بمعنی پڑھنا۔ کلام خداوندی کو قرآن اسی وجہ سے کہتے ہیں کیونکہ دنیا میں کوئی کتاب اس قدر نہیں پڑھی جاتی جسقدر قرآن حکیم۔ (۱۱) قافلہ اسکے معنی واپس ہونیکے ہیں آئندہ کے اعتبار سے جانے والے گروہ کو بھی قافلہ کہدیتے ہیں جیسا کہا کرتے ہیں کہ حاجیوں کا قافلہ جا رہا ہے (۱۲) گپ بامزہ رنگین باتوں کو کہتے ہیں قدیم وجدید فارسی میں یہ لفظ زبان زد خاص عام ہے نعمت خاں نے خوب کہا ہے۔

ہر چہ خواہی کہ باشد دلخواہ تو بفرما | ساز سے مستے تمام شعرے گپے نہاہے

(۱۳) کہار۔ کون نہیں جانتا ہے مگر تعجب ہے کہ فارسی شعراء نے بھی اسکو اپنایا ہے۔

ناکردہ رو بہ پالکی کردہ است چادر پالکی | بنشستہ چوں در پالکی زیر چرخ کہار آمدہ

(۱۴) کچہری وہی ہے جس کو اردو ہندی میں کچہڑی کہتے ہیں ملاحظہ ہو تھوڑے سے تغیر کے بعد اسکو کس طرح اپنایا گیا ہے

سیر گشتم زکچہری ایام ہوس خون سیم و زر نکنم

(۱۵) گزک اور ہماری گجک میں کتنا تھوڑا فرق ہے گزک ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو ذائقہ بدلنے کیلئے کھائی جاتی ہے (۱۶) لحاف بھی فارسی الاصل ہے اردو فارسی دونوں میں محل استعمال ایک ہے۔ (۱۷) لچہ۔ ہماری زبان میں آوارہ اور بدمعاش کو کہتے ہیں یہ لچے سے ماخوذ ہے جس کے معنی برہنہ کے آتے ہیں (۱۸) لپہ۔ لیٹر سے کس قدر قریب ہے (۱۹) لتہ۔ پھٹے پرانے کپڑے اور چیتھڑی کو کہتے ہیں۔ گلی کوچوں سے چیتھڑے چننے والے کو فارسی محاورہ میں لتہ چین کہتے ہیں (۲۰) لوبہ لابھ۔ سندی الاصل ہے (۲۱) گیت۔ ہندی لفظ ہے ہندوستان پہلے ہی نغمہ سرائی میں کمال رکھتا تھا اور اس دور میں بھی علم موسیقی کے ماہرین جس قدر ہندوستان میں پائے جاتے ہیں دوسرے ملکوں میں اس کی نظیر نہیں ہے فارسی شعرا نے اس لفظ کو بھی اپنایا ہے۔

دریں کشور ذوق نام سرود .او گیت نزد طرب سنج رود

(۲۲) گلہری مشہور جانور ہے یہ لفظ بھی ہندی کا ہے فارسی ادیبوں نے بھی استعمال کیا ہے

ہر چہ افتد بدست آں طرار .بدو دستش خورد گلہری دار

(۲۳) لشتر کی اصل نیش تھی۔ نیش کے معنے ڈنک کے ہیں مگر بمعنی معروف صرف ڈنک نہیں ہوتا بلکہ تر بھی ہوتا ہے جس کا ثبوت لعد کے آرام و راحت سے ہوتا ہے۔ (۲۴) شال کا جو مفہوم ہمارے عرف میں ہے بعینہ وہ فارسی میں بھی ہے اگرچہ قدیم فارسی میں کمبل کو کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ شالپوشی کا محاورہ گلیم پوشی کے معنی میں بولتے ہیں مگر دور اواخر میں اسی چادر اونی کے لیئے بولتے ہیں جسکو اہل کشمیر نے ایجاد کیا ہے۔

(۲۵) مال۔ میلان سے ماخوذ ہے چونکہ ہر کس و ناکس اسکی طرف مائل ہوتا ہے اسلیئے اسکو مال کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض اشیاء خبیثہ کو شریعت مطہرہ نے مال قرار نہیں دیا ہے۔ کیونکہ طبیعت سلیمہ انسانی اسکی طرف مائل نہیں ہوتی۔ (۲۶) نوشہ۔ نوشاہ تھا۔ دولہا بھی بادشاہ ہی ہوتا ہے کیا اسکی حکمرانی کسی بادشاہ سے کم ہوتی ہے۔

(۲۷) ہا کے معنی افتادہ اور گرے ہوئے کے آتے ہیں شکست خوردہ کے لئے یہ لفظ اسی مناسبت سے استعمال کرتے ہیں

(۲۸) پیش امام۔ امام صاحبان کو پیش امام کہنے کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ انکے پیش مقتدی یا پیش نماز کا لفظ مناسب تھا (۲۹) نکتہ۔ یہ نکت سے نکلا ہے جس کے معنی نشان اور داغ کے آتے ہیں گویا کسی مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے کوئی نکتہ بیان کرنا اس مسئلہ کی تحقیق پر نشان خوبی لگا دینا ہے۔ ہاں یاد آیا اس کی جمع نکات بکسر نون آتی ہے بضم النون نہیں ہے۔ بعض پڑھے لکھے واحد کے قیاس پر جمع بھی پیش کے ساتھ استعمال کرتے ہیں

(۳۰) لال۔ اس کے معنی فارسی محاورہ میں سرخ رنگ کے آتے ہیں یہی ہمارے محاورہ میں بھی ہے۔ لعل بھی فارسی میں سرخ رنگ کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ف۔ عام طور سے لوگ کہتے ہیں لعل بدخشاں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ شاید بدخشاں میں کوئی کان ہو گی مگر یہ غلط ہے خلاف عباسیہ سے قبل کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔ اور اپل

خلافت عباسیہ میں ایک زبردست بھونچال آیا جس سے شکنان نامی پہاڑی پھٹ گئی اور لعل کی کان ظاہر ہوئی بدخشاں چونکہ اس زمانہ میں جواہرات کی منڈی تھا لوگ کان سے لا لا کر بدخشاں میں بیچتے تھے۔ اسی وجہ سے لعل کی نسبت بدخشاں سے کرتے ہیں (۳۱) مہمان۔ اس کی اصل مہ مان ہے جس کے معنی بزرگ اور مانی حرف تشبیہ ہے معنے ترکیبی ہیں جیسے مانند بزرگ مہمانی کے اصلی معنی تعظیم و توقیر کے آئے ہیں۔ ہندی فارسی کے توافق میں فارسی بان والوں نے اسکو اپنایا ہے۔ (۳۲) شطرنج کے ہندی الاصل ہونے پر محققین کا اتفاق ہے کہتے ہیں کہ ہندوستان کی بادشاہ نے اسکو تیار کرکے نوشیرواں کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے

ابوبکر بن محمد بن یحیی المعروف بالصولی الشطرنجی کان احد الادباء الفضلاء المشاہیر وکان اوحد دھرہ فی لعب الشطرنج لم یکن فی عصرہ مثلہ فی معرفتہ حتی ان اکثر الناس یعتقدون ان الصولی المذکور ھو الذی وضع الشطرنج وھو غلط فان الذی وضعہ صصہ ابن داھر الھندی واسم الملک الذی وضعہ لہ شہرام بکسر الشین

بہرحال بعض کے نزدیک شطرنج کی اصل شتر ہے جس کے معنی چار کے ہیں اور نگ کے معنی رکن کے ہیں معنی ترکیبی یہ ہوئے چار رکن چونکہ شطرنج میں چار ہی رکن ہوتے ہیں فیل، رخ، اسپ، پیادہ مگر تحقیق یہ ہے کہ شتر کے معنی دشمن کے ہیں اور نج بمعنی فتح و کامیابی کے ہیں معنی ترکیبی یہ ہوئے دشمن پر فتح پانا، یہ لفظ زبان کے تغیرات سے شطرنج ہو گیا۔

نالۂ دل

از مولانا محمد فخر الدین صاحب گیاوی قاسمی مدرس دار العلوم ناموئے (رنگون)

دل پھنک رہا ہے جلتے ہیں سوز نہاں سے ہم
کیا خاک لطف اٹھائیں گے حسن بتاں سے ہم

شکوہ کریں زمین سے، یا آسماں سے ہم
بیزار ہو کے بیٹھے ہیں دونوں جہاں سے ہم

اپنے وجود کا ہی پتہ کچھ نہیں ہمیں،
آزاد اب تو ہو گئے کون و مکاں سے، ہم

جیتے نہیں کسی سے زمانہ میں ہم کبھی
مسلم ہیں برگزیدہ ہیں سارے جہاں سے ہم

وحشت پذیر ہونے لگے ہر مکاں سے
بیٹھے ہیں رشتہ جوڑ کے اب لامکاں سے ہم

ہم کھیلتے ہیں خون سے، وہ نوجواں ہیں
ڈرتے ہیں اب بھلا کہیں تیر و کماں سے ہم

درس حیات فقط دار و رسن میں ہے
سنتے ہیں اسکو آج خود اپنی زباں سے ہم

جانباز بن کے معرکہ کربلا میں آ!
کہتے ہیں اپنی قوم کے ہر نوجواں سے ہم

احساس درد، اے دل صد پارہ اسقدر؟
غمگین ہوتے ہیں غم دو جہاں سے ہم

ہر داغ سینہ گل ہے، تو سینہ ہے گلستاں
کیوں بے نیاز ہوں نہ گل و گلستاں سے ہم

گلچیں سے ساز باز نہ کرتا اگر... کہیں
کیوں بدگمان ہوتے بھلا باغباں سے ہم

لایا ہے جو شراب مدینہ سے وہ پلا!
یوں دست بستہ کہتے ہیں پیر مغاں سے ہم

اہل وفا کی موت بھی عین حیات ہے
مر کر ملیں گے زندگی جاوداں سے ہم

اے فخر لب پہ نالۂ دل آ گیا کہیں
اس جرم پر نکالے گئے آشیاں سے ہم

مدارسِ عربی نظرِ حقیقت شناس میں

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ شعبان ۱۳۵۸ھ کے موقعہ پر مولانا انور صابری نے ذیل کی نظم ارشاد فرمائی

سن رہا ہوں کوئی مردِ بیدار و حق نواز
اتفاقاً سو گئے پڑھ کر تہجد کی نماز

طالعِ قسمت جو چمکا زندگی کے باب میں
سبز گنبد کے قریں پہنچے جہاں خواب میں

دیکھتے کیا ہیں کہ خود سردارِ یوم اولین،
خاتمِ دورِ رسالت رحمۃ للعالمین

مسجدِ نبوی میں ہیں آرام فرمائے ہوئے
چند مخلص خادموں کو پاس بٹھلائے ہوئے

بزم میں اسلامیانِ ہند کا کچھ ذکر ہے،
مضطرب سرکارِ یثرب کی نگاہِ فکر ہے

ایک بوڑھا بندۂ محکوم ہے ماتم کناں
دل پریشاں آہ بر لب اشک آنکھوں سے رواں

جھریاں چہرے کی دردِ قوم کی آئینہ دار
دیدۂ کم نور میں عہدِ گذشتہ کا خمار

علم مولا مرکزِ نغمات سازِ زندگی
زندگی کا گوشہ گوشہ بے نیازِ زندگی

عرض کی سرکار ہیں پرسوز میرے دل کے داغ
جب سے اسلامی حکومت کا ہوا ہے گل چراغ

ذرہ ذرہ ہند کا بیگانۂ ملت ہوا،
بادۂ دیں سے تہی پیمانۂ ملت ہوا

وضعِ مغرب مشرقیت کی ادائیں کھا گئی
کیا بتاؤں دورِ ماضی کی کلی مرجھا گئی

قلبِ مومن اب خدا کے خوف کا مسکن نہیں
دستبردِ غیر سے محفوظ اب گلشن نہیں

تخت کے جاتے ہی دنیا کا عمل بھی مٹ گئی
گردنِ اسلام پھندوں سے عدو گھٹ گئی

آپ کی صورت سے صورت کو ملاتا کون ہے
آپ کی سیرت کو زیبِ دل بناتا کون ہے

بندہ و آقا میں اب ہونے لگا ہے امتیاز
درد ہمسایہ سے کرتا ہے مسلماں احتراز

خواہ درد انگیز ہو کتنی یتیموں کی پکار
صاحبِ دولت کو ہر ایسی صدا ہے ناگوار

دشمنانِ دیں کی تعلیم ہر سو عام ہے
گویا انگریزی تمدن کا یہی اسلام ہے

دستِ سر سید نے جو پودا لگایا تھا کبھی
فتنۂ تہذیبِ عہدِ نو جگایا تھا کبھی

آبیاری کے لئے اس کی ہمارا خون ہے
کالجوں میں حکمتِ تعلیمِ دیں مدفون ہے

بھیک بھی دیتا نہیں اس شخص کو کوئی حضور
جزوِ ہستی بن گیا جس کا نصاریٰ سے نفور

مذہب ملا بتایا جا رہا ہے دین .. کو
کفر سمجھا جا رہا ہے دین کی تزئین کو

نیک و بد میں فرق کرنا آج کل دشوار ہے
موت کو بھی زندگی سے اہلِ حق کی عار ہے

درسِ قرآں کا علی الاعلان اڑتا ہے مذاق
مٹ گئی پہلی محبت ہے یہ دورِ افتراق

مدرسے باقی ہیں لیکن بند ہونے کے قریب
جان بلب بیمارِ ملت ہے پریشاں ہے طبیب

سورۂ انفال کی تفسیر ہو سکتی نہیں   بے نیام اسلام کی شمشیر ہو سکتی نہیں
رو رہیں دو طالبان علم کو ملتی بھی ہیں   خود بخود کلیاں دل معموم کی کھلتی بھی ہیں
گرم بازاری ہے لیکن اسقدر افلاس کی   ہوش کسکو ہے نبی کی آبرو کے پاس کی
سنکے درد انگیز یہ روداد مرد پیر سال   آگیا پیشانی سلطان بطحی پر جلال
یوں ہوئے گویا مرے عاشق یہ میری بات سن   ہے مری تعلیم کا تو تا قسیم الخیرات سن
جو مددگار و معین اس دور میں تیرا نہیں   صدق دل سے کر یقین واللہ وہ میرا نہیں
سنکے یہ ارشاد خوابیدہ معبر جاگ اٹھا   کان میں آنے لگی اللہ اکبر کی صدا
جبکو ہو عقبیٰ میں اپنی سرخروئی کا خیال   خادم طلاب دیں بنجائے تا حد کمال
جس جگہ ہو درس قال اللہ اور قال الرسول   ہے وہ جنت سے زیادہ نزد ارباب عقول
علم دیں کے چاہنے والوں کا جو شیدا نہیں   وہ شفاعت کا نبی کی مستحق اصلا نہیں

وداع:- آخری اجلاس کے موقعہ پر علامہ موصوف نے ذیل کی نظم ارشاد فرمائی:-

آخری اجلاس کی تقریر بھی تم سن چکے   قصۂ ناکامیٔ تدبیر بھی تم سن چکے
داستان گردش تقدیر بھی تم سن چکے   نوحۂ پر درد و پر تاثیر بھی تم سن چکے

اب مری یہ آخری فریاد سننے جایئے
گل چمن زار شہ یثرب کے چنتے جایئے

کام کا ہے وقت باتیں چھوڑئے باتیں گئیں   ہجر کا ہنگام غم ہے وصل کی راتیں گئیں،
حق پرستوں حق نوازوں کی مداراتیں گئیں   اپنے بیگانے ہوئے باہم ملاقاتیں گئیں،

حلقۂ دام غلامی توڑ دینا چاہیئے،
اپنا رشتہ پھر خدا سے جوڑ دینا چاہیئے

دین کی تبلیغ کا احساس پیدا کیجئے   خود کو دید ستید عالم کا شیدا کیجئے
ذرہ ذرہ سے صداقت کو ہویدا کیجئے   جلوۂ توحید سے معمور سینہ کیجئے

شرق سے تا غرب چرچا ہو خدا کے نام کا
شور ہو ہر سو خدا کے آخری پیغام کا

مسجد شاہی میں درس علم دیں جاری رہے   چار سو اسلام کی یہ گرم بازاری رہے
ظلم و استبداد کی تقدیر میں خواری رہے   عالمان دیں کے سر پر سایہ باری رہے

ہو یہی مرکز جہاں میں ملت آزاد کا
نام روشن ہو زمانے میں مرادآباد کا

تاریخ عالم:-

سیدنا آدم علیہ السلام کی وفات اور حضرت شیث علیہ السلام کی جانشینی

حضرت آدم علیہ السلام کے مفصل حالات گذشتہ اشاعتوں میں گذر چکے ہیں۔ اسوقت تاریخ ابن کثیر جلد اول کے حوالہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے متعلق چند چیزیں ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں:-

(۱) وفات کے وقت حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت شیث کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا، دن اور رات کی گھڑیاں (ساعات) بتائیں اور جو عبادتیں ان اوقات میں ادا کی جاتی تھیں ان کی تلقین کی اور طوفان نوح کے آنے کی اطلاع دی۔

(۲) حضرت حوا نے جب آثار موت محسوس کیے تو حضرت آدم علیہ السلام سے بغلگیر ہونے لگیں حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا "میرے سے جدا رہو، میرے رب کے فرشتے اسوقت میرے سامنے ہیں مجھے ان سے ملاقات کا موقعہ دو، تمہارے سبب سے ہی میں اس امتحان میں مبتلا ہوا تھا"

(۳) فرشتوں نے روح قبض کی۔ کچھ فرشتے کدال، کلہاڑی اور ٹوکریاں لیے ہوئے حاضر ہوئے کفن اور خوشبو (جسکو عربی میں حنوط کہتے ہیں) بھی ان کے پاس تھی۔ وفات کے بعد فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دیا، کفن پہنایا، نماز جنازہ پڑھی، دفن کیا اور بتایا کہ اولاد آدم کے لیے فطری سنت اور حکم خداوندی یہی ہے

(۴) ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ میں چار مرتبہ تکبیر کہی۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ میں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

ابن عساکر کی اس روایت کی سند میں حسب ذیل حضرات سلسلہ وار ہیں:- شیبان بن فروخ، محمد بن زیاد، میمون بن مہران، ابن عباس، رضی اللہ عنہما۔ ابن عساکر بیان فرماتے ہیں کہ شیبان بن فروخ کے علاوہ دوسرے حضرات نے اس روایت کو بحوالہ حضرت میمون، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ (احناف کا یہی مسلک ہے چنانچہ ہندوستان میں اسی پر عمل ہوتا ہے)

ایک سوال کا جواب سوال یہ ہوتا ہے کہ آج ہم فرشتوں کو کیوں نہیں دیکھ سکتے، جواب یہ ہے کہ فطری تلقینات ختم ہو چکیں، دین مکمل ہو گیا، یہ زمانہ اولاد آدم کی ابتدائی تعلیم کا تھا لہذا فرشتوں کے ذریعہ سے تعلیم دی گئی اسی اشاعت میں مولانا منصور انصاری کے مضمون میں آپ ملاحظہ فرمائینگے، کہ اولاد آدم کی ترقی تدریجی ہوئی ہے

ہر درجہ پر اس کے مناسب تعلیم، خدا کے فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے ہوتی رہی ہے حضرت آدم و حضرت شیث علیہما کی تعلیمات بھی وہی درجہ رکھتی ہیں جو بچوں کو ابتداءً ہیں اون کی مائیں سکھایا کرتی ہیں واللہ علم بالصواب۔

(۵) حضرت آدم علیہ السلام کے مقام دفن میں علماء کا اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ آپ ہندوستان کے اسی پہاڑ کے قریب دفن کیے گئے جہاں آپ نازل کیے گئے، ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ کے قریب کوہ ابوقبیس پر آپ مدفون ہوئے مورخ ابن جریر کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم اور حضرت حوا کی نعش کو زمانہ طوفان میں اونکی قبروں سے نکال کر ایک تابوت میں رکھکر بیت المقدس لیگئے اور وہیں دفن کر دیا گیا، ابن عساکر نے کچھ مورخین سے نقل

(۶) حضرت آدم علیہ السلام کی وفات سے ایکسال بعد حضرت حوا کی وفات ہوئی۔

(۷) حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے متعلق علماء کا اختلاف ہے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر لوح محفوظ میں ایکہزار سال درج کیگئی تھی توارت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر نوسو تیس سال ہوئی۔ لیکن ظاہر ہے کہ توارت جیسی مشکوک اور مشتبہ کتاب کو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وثوق اور استناد کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔

لہذا حدیث صحیح کے مقابلہ میں توارت کی روایت معتبر نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث میں قمری حساب سے مدت عمر بیان کی گئی ہو اور توارت میں شمسی حساب سے، اور جبکہ شمسی اور قمری سالوں میں ہر چھتیس ۳۶ سال پر ایک سال کا فرق ہو جاتا ہے تو ایکہزار سال پر ۲۷ سال نو ماہ دس روز کا فرق تو خود بخود ہو گیا باقی ۳۴ سال ابن جریر وغیرہ کے قول کے بموجب جنت میں قیام رہا۔ اس صورت سے توارت اور حدیث صحیح میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ فرق صرف یہ ہے کہ توارت میں زمین پر قیام کی مدت بیان کی گئی ہے اور حدیث میں پوری عمر بیان فرمائی گئی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۸) عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد سات دن تک ساری مخلوقات روتی رہی

(۹) ابن اسحاق کی روایت ہے کہ چاند سورج سات روز تک گہن میں رہے۔

حضرت شیث علیہ السلام

(وجہ تسمیہ) شیث کا ترجمہ ہے خداوندی عطیہ، چونکہ ہابیل کے قتل کے بعد حضرت شیث پیدا ہوئے تھے تو ان کا یہ نام رکھا گیا، علماء کا قول ہے کہ موجودہ انسان حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں حضرت آدم علیہ السلام کے دوسرے لڑکوں کی اولاد کا سلسلہ رفتہ رفتہ ختم ہو گیا (جو باقی بچے وہ طوفان نوح میں ختم کر دیے گئے)

(**حضرت شیث علیہ السلام کی نبوت**) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ کل ایکسو چار صحیفے نازل ہوئے جن میں سے پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے (صحیح ابن حبان)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صحیح ابن حبان کی مذکورہ بالا روایت حضرت شیث علیہ السلام کی نبوت کی دلیل ہے۔

جانشینی) پہلے گذرا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام کو اپنی وفات کے وقت جانشین بنا دیا تھا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت شیث علیہ السلام نظم و نسق کے متکفل ہوئے۔

حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد کا سلسلہ) حضرت شیث علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے صاحبزادہ "انوش" کو اپنا جانشین بنایا۔ انوش نے اپنے بیٹے قینن کو اور قینن نے اپنے لڑکے مہابیل کو جانشین بنایا۔

ملوکیت اور مدنیت کا آغاز) عجمی علماء کا دعویٰ ہے کہ مہابیل ہی سب سے پہلا شخص ہے جو بادشاہ بنا اور بصفت اقلیم پر اس کی بادشاہت ہوئی۔ (کیونکہ نہ زیادہ آدمی تھے اور نہ کوئی دوسرا بادشاہ تھا۔ محمد میاں عفی عنہ)

مہابیل ہی نے سب سے پہلے درختوں کو کاٹ کر ان سے تعمیر کا طریقہ ایجاد کیا، اسی نے سب سے پہلے شہر بسائے قلعے بنائے، شہر بابل اور شہر سوس اقصیٰ آباد کیا۔ ابلیس اور اسکی فوج سے لڑ کر ان کو زمین کے کناروں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں کی طرف بھگایا۔ اور سرکش جنوں اور دیووں کی بڑی تعداد کو ہلاک کیا۔ اس کا بہت بڑا تاج تھا، لوگوں کے سامنے خطبہ (لیکچر) دیا کرتا تھا۔ چالیس سال تک اسکی حکومت رہی جب مہابیل مرگیا تو اس کا لڑکا "یرد" اسکا جانشین ہوا۔ "یرد" نے اپنے بیٹے "حنوخ" کو اپنا جانشین کیا۔ مشہور یہ ہے کہ "حنوخ" ہی کا نام "ادریس" ہے جنکو قرآن حکیم میں "نبی" بتایا گیا ہے۔ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والسلام "تاریخ ابن کثیر ج ا (محمد میاں)

طلبائے دار العلوم دیوبند سے خطاب

(از مولانا زاہد حسن صاحب بجنوری متعلم دار العلوم دیوبند خادم جمعیت تہذیب الاخلاق)

مجھے کچھ عرض کرنا ہے محبت کے شراروں سے — اشداء علی الکفار کے مصداق یاروں سے
محمد راز دان کن فکاں کے رازداروں سے — ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ علیؓ کے جاں نثاروں سے
گذارش ہے مری اس وقت قاسم کے دلاروں سے — گذارش ہے مری محمود کی آنکھوں کے تاروں سے
گذارش ہے گذارش ہے حسین احمد کے پیاروں سے — گذارش ہے مئے توحید کے بادہ گساروں سے
ہے تم سے امت مرحوم کی امید وابستہ — تمہارے ہی دلوں سے جذبۂ توحید وابستہ
عرب میں قرن اولیٰ کا سماں تمکو دکھانا ہے — عجم میں اپنے مسلم بھائیوں کا دل بڑھانا ہے
یہود ان فلسطیں کا تمہیں قصہ چکانا ہے — نصاریٰ کا وہاں سے بوریا بدھنا اٹھانا ہے
تمہیں کو دشمنان دین کا جھگڑا مٹانا ہے — تمہیں کو فیصلہ اب حق و باطل میں کرانا ہے
تمہیں کو مذہب اسلام کا ڈنکا بجانا ہے — تمہیں کو بنکے خالد شان اسلامی دکھانا ہے
تمہیں کو انقلابات جہاں پر غور کرنا ہے — تمہیں تحریک محمودی کا زندہ دوکرنا ہے
جو خواہش ہے کہ ہند آزاد تم احرار ہو جاؤ — تو اپنی غفلتوں کو چھوڑ دو بیدار ہو جاؤ
بڑھو ہمت سے ابن حیدر کرار ہو جاؤ — کٹانے راہ حق گردنیں تیار ہو جاؤ
غلاموں کی غلامی سے نکلنے کے عزائم ہوں — دفاتر ہر جگہ جمعیت العلماء کے قائم ہوں
وہ جو ہندوستاں آزاد کروائیں گے، تم ہو گے — وہ جو سینوں پہ اپنے گولیاں کھائیں گے، تم ہو گے
وہ جو قوم نصاریٰ کو نکلوائیں گے، تم ہو گے — وہ جو سولی پہ خود اپنے کو لٹکائیں گے، تم ہو گے
مٹائے کیوں تمہاری کوئی اس آزاد فطرت کو — تمہیں سے کام لینا جبکہ ہو منظور قدرت کو
تمہیں تبلیغ حق سے اسقدر کیوں عار آتی ہے — تمہاری بات سننے کو یہ ملت تلملاتی ہے
نہیں بزدل مگر غفلت تمہیں رسوا کراتی ہے — اٹھو اے شیر دل مردو تمہیں دنیا جگاتی ہے
ضروری ہے تمہارا جاگنا بیدار ہو جانا — مقابل دشمنوں کے برسر پیکار ہو جانا
سنو آخر میں آزادی کا سہرا کس کے سر ہو گا — جہاں میں کس کا ذکر خیر ہر سو در بدر ہو گا
تمہیں ہو گے تمہارا عزم سب کا راہبر ہو گا — تمہارا عزم دشمن کے لئے این المفر ہو گا

کسی کو کیا خبر ہے کیا کسی کو ملنے والا ہے
خزاں آئی کہیں ہے اور کہیں گل کھلنے والا ہے

"عنایت اللہ مشرقی کے کفریہ عقائد"

نقد و تبصرہ

مندرجہ بالا نام کا ایک رسالہ جناب مولانا عبدالسمیع صاحب مبلغ انجمن سیف الاسلام دہلی نے تصنیف فرمایا ہے جو موصوف کے پتہ ہی سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ صفحات ۳۲ علاوہ ٹائٹل قیمت ۲ر کاغذ۔ طباعت اور سائز مناسب

(مفت تقسیم کرنے والے حضرات کیلئے خاص رعایت)

اس رسالہ میں مشرقی کے حالات اور اس کے عقائد بیان کئے گئے ہیں۔ اور اُسکے عقائد نیز اسکی عبارتوں کا قرآن حکیم کی آیات سے مقابلہ کیا ہے۔ منصف مزاج انسان کے لئے رسالہ حق و باطل کی تفریق کر دینے میں بہت کافی ہے۔ ہر ایک مسلمان کے لئے اسکا مطالعہ ضروری ہے۔ ائمہ مساجد اسکو ملاحظہ فرما کر اہل محلہ کو آگاہ کر دیں تو بہت بڑی تبلیغی خدمت انجام دیں۔

ہمیں اپنے مذاق کے بموجب اس رسالہ کا ایک مضمون بہت پسند آیا۔ جناب مؤلف کے شکریہ کے ساتھ ہدیہ ناظرین ہے

مرزا غلام احمد قادیانی اور عنایت اللہ مشرقی کے اصلی مقاصد

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

قادیانی مقاصد

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارشادات

(۱) میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گذرا ہے۔ اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اسقدر کتابیں لکھیں ہیں اور اشتہار طبع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں

(تریاق القلوب)

(۲) میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار ہے

(درخواست مرزا غلام احمد قادیانی بحضور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۷ ص ۱۷)

(۳) میرا یہ دعویٰ ہے کہ تمام دنیا میں گورنمنٹ برطانیہ

خاکساری مقاصد

عنایت اللہ مشرقی کے کلمات

(۱) ہم بے خوف و خطر اعلان کر چکا ہوں کہ مجھے انگریزی حکومت سے بہتر اسوقت کوئی حکومت نظروں میں نہیں جچتی۔

(الاصلاح - یکم جنوری ۱۹۳۶ء ص ۱ کالم ۲)

(۲) انگریزوں اور عیسائیوں کے بنگلوں پر جا کر بیخوف و خطر خدمت کے لئے درخواست کی جائے۔ انگریز ملاقات کے لئے باہر نکلے تو اپنے بیلچے کو کندھے پر رکھکر اور دائیں ہاتھ کو دھماکے سے بیلچے کے دستے پر جھکا کر فوجی سلام کیا جائے۔ کچھ پوچھے تو اس کا مناسب و باادب جواب دو جواب میں عاجزی نظر آئے

(الاصلاح ۱۲ اپریل ۱۹۳۵ء - ص ۷ کالم ۱ و ۲)

(۳) (بلا انگریزوں) کے خانساموں اور بہروں کے گھروں کی خدمت نہایت خلوص سے ہو۔ انگریزی افسر

کی طرح کوئی دوسری گورنمنٹ نہیں۔ جس نے زمین پر ایسا امن قائم کیا ہو (ازالۃ الاوہام ص۵۶)

(۴) چوتھی گذارش یہ ہے کہ جس قدر لوگ میری جماعت میں ہیں اکثر ان میں سے سرکار انگریزی کے معزز عہدوں پر ممتاز یا اس ملک کے نیک نام رئیس اور اُن کے خدام اور احباب اور یا تاجر اور یا وکلا۔ اور یا تو تعلیمیافتہ انگریزی خواں اور یا ایسے نیکنام علماء و فضلا اور دیگر شرفا ہیں جو کسی وقت سرکار انگریزی کی نوکری کر چکے ہیں اور یا اب نوکری پر ہیں اور یا اب ان کے اقارب و رشتہ دار اور دوست ہیں جو اپنے بزرگ مخدوموں سے اثر پذیر ہیں۔ یا سجادہ نشین غریب طبع۔ غرض یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ اور نیکنامی حاصل کردہ مورد مراحم گورنمنٹ ہیں (مرزا غلام احمد کی درخواست بحضور نواب لفٹننٹ گورنر بہادر پنجاب مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۷)

دورہ کرتے ہوئے کیمپ میں شہر سے باہر اُتریں۔ تو سالاروں کو اُن کی خدمت کے لئے وقت پر آجانا چاہئے۔ خانساموں کی وساطت سے ان کے کھانے پینے کا سامان فراہم کریں۔ ان کے لئے مرغیاں۔ انڈے مناسب داموں پر پیدا کریں۔ پانی کا سامان فراہم کریں خیموں کے گاڑ دینے یا اُکھاڑ دینے میں مدد دیں۔ گھوڑوں کی خدمت کریں۔ گھوڑے کے لئے گھاس سستے نرخ پر پیدا کریں۔ (الاصلاح ۱۲ اپریل ۳۵ء ص۵)

(۵) خاکسار تحریک میں اس وقت بیسیوں ملازم شامل ہیں۔ پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار روپیہ کی آمدنیوں والے بھی ہیں اور چودہ چودہ روپے کے چپراسی بھی ہیں پولیس والے بھی ہیں (الاصلاح دسمبر ۳۵ء قول فیصل نمبر ۹ و ۱۰)

ہمارے ہاں گورنمنٹ ملازم۔ پنشنر۔ ججان۔ وکیل۔ فوجی افسر تک ہیں (الاصلاح ۳۰ جولائی ۳۶ء ص۱ کالم ۱)

مختصر فہرست مضامین

علمائے ہند کا شاندار ماضی

ہندوستان کی چار سو سالہ سیاست۔ علماء ملت کی چار صد سالہ سیاسی علمی اور تبلیغی خدمات۔ سیاسی نظریات جذبات۔ ایثار اور قربانیاں جو آجتک پردہ خفا میں تھیں۔ اس کتاب نے مستند تاریخی حوالجات کے ذریعہ سے اُن کا بے نقاب مرقع عزیزان ملت اور نونہالان وطن کے سامنے پیش کیا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف مضامین مختصر فہرست درج ذیل ہے۔ آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند۔ قیمت قسم اول ہے، قسم دوم ہے۔ رعایتی قیمت کیلئے ملاحظہ

حصۂ چہارم
۱۸۵۷ء کی خونیں داستان

حصۂ پنجم
تحریک دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

اساس انقلاب یا مراقبۂ نماز

یہ کتاب حضرت علامہ مولانا محمد بن عبداللہ عرف مولانا منصور انصاری کی بیش بہا تحقیقات کا مبارک ثمرہ ہے اس میں نماز کی سیاسی حیثیت - ایمانی اور روحانی فلسفہ اور منشار شریعت کے بموجب نماز کے حقیقی مقصد کو نہایت مدلل اور مستحکم طور پر بیان کیا گیا ہے - ضمنی طور پر بہت سے مضامین سلسلہ کلام میں آگئے ہیں - ذیل کی مختصر فہرست مضامین سے کتاب کی جامعیت اور اسکی عظمت و اہمیت کا اندازہ ہوگا - کل صفحات ۱۸۲ اسائز موزوں - قیمت ۸ ر رعائتی قیمت تا ۱۵ ذیقعدہ ۶ ر

تاریخ القائد ۱۳۵۷ھ

قواعد و ضوابط رسالہ

جریدہ خجستہ بنیاد ۱۳۵۷ھ

(۱) رسالہ کا نیا سال محرم سے شروع ہوتا ہے اور انگریزی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک رسالہ تیار ہو جاتا ہے اور ۱۵ کو ڈاک خانہ میں بھیجا دیا جاتا ہے۔

(۲) اندرون ہند انگریزی ماہ کی ۲۰ تک رسالہ نہ پہنچے تو فوراً دفتر کو اطلاع دی جائے۔

(۳) اگلے ماہ کی ۱۰ تاریخ کے بعد رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت ہوگی تو رسالہ قیمت سے بھیجا جائے گا۔

(۴) پتہ صاف اور خوشخط تحریر فرمایا جائے۔ اگر انگریزی کے پتہ کی ضرورت ہو تو اس سے بھی مطلع فرمایا جائے

(۵) خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں۔

(۶) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیے ورنہ دفتر جواب کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

(۷) مہذب اشتہارات شائع کئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اجرت پیشگی ادا فرمائی جائے

(۸) مہذب اور مستند مضامین شائع کئے جا سکتے ہیں مگر مسلک کے مخالف مضامین پر سنجیدہ تبصرہ بھی کیا جائیگا

(۹) چندہ سالانہ بذریعہ منی آرڈر آنا چاہیئے

(۱۰) ترسیل زر بنام مولانا حکیم انتظار احمد صاحب مدیر انتظامی رسالہ قائد مراداباد ہونی چاہیئے۔

(۱۱) ایجنسی کی شرائط خط و کتابت سے طے کی جائیں۔

شرح چندہ

اندرون ملک		بیرون ملک	
سالانہ	عہ	سالانہ	۳ شلنگ
ششماہی	۱۲؍	نمونہ	مفت
فی پرچہ	۲؍		

اجرت اشتہارات

	ایک صفحہ	½ صفحہ	¼ صفحہ
ایک مرتبہ	ہے	صہ	۶ ۱۲؍
ایک سال یعنی ۱۲ مرتبہ	معہ	للعہ	ـعہ

عکس ارشاداتِ مبارکہ

سیدنا شیخ الاسلام مجاہد جلیل حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دام ظلہم "سرپرست رسالہ قائد"

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

میں نے رسالہ قائد کے بعض بعض مضامین دیکھے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے کارکنوں سے واقف ہوں۔ سب کے سب ماشاء اللہ ماہرین علم و فضل اور صحیح الخیال اشخاص اور اہل کمال افراد ہیں۔ انہیں بہت سے حضرات نے خدمات علمیہ اور دینیہ میں عالی ہمتی کے ساتھ بہت سی قربانیاں بھی دی ہیں۔ مجھکو قوی امید ہے کہ قوم مسلم اور تمام ہندوستانیوں کیلئے ان حضرات کی اس رسالہ کی رہنمائی نہایت صحیح اور بہت زیادہ مفید اور کارآمد ہوگی۔ میں تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی ہمت افزائی کریں اور اسکی خدمت میں بیش از بیش حصہ لیکر اپنے فرائض سے سبکدوشی حاصل کریں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو بیش از بیش توفیق عمل اور توفیق اصلاح اور ہر قسم کی خرابیوں سے بچائے آمین۔ وباللہ التوفیق

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
۱۶ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

ترسیل رقوم کا پتہ
(مولوی حکیم) انظار احمد فیل خانہ "مراد آباد"

(مولانا سید) محمد میاں پرنٹر و پبلشر نے شاہی برقی پریس میں چھپوا کر شائع کیا

مقاصد رسالہ

الف "سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور بالخصوص اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک اور مستند حالات پیش کر کے مسلمانوں کی مذہبی سیاسی اور اقتصادی یعنی مالی صنعتی و تجارتی اصلاح: (ب) تاریخ عالم اور اقوام دنیا کے عروج و زوال کے فلسفہ اور وجوہات پر بحث کر کے مسلمانوں میں جذبات ترقی و عروج پیدا کرنا"

(ج) عربی طلبہ میں عربی زبان کا مذاق پیدا کرنا

(د) ہندوستان و حجاز میں صحافتی رابطہ قائم کرنا"

علماء کرام اور طلبہ کو مژدہ!

عربی زبان میں مضمون نگاری کی ضرورت کا احساس عرصہ سے کیا جا رہا ہے: رسالہ قائد نے بنام خدا اس ضرورت کے پورا کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ چنانچہ کم از کم دو ورق اس مقصد کے لئے خاص رہیں گے، جن میں عربی مضامین اور عربی اشعار ہوں گے حضرت علامۃ الحاج مولانا محمد اعزاز علی صاحب اور ادیب عرب حضرت مولینا عبد الحق صاحب مدنی مدیر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد اس حصہ کی خصوصیت سے سرپرستی فرمائیں گے

مستقل عنوانات

جن کے ماتحت مستند اور دلچسپ مضامین ہر رسالہ میں آتے رہیں گے

(۱) تعلیمات فرقان و احادیث
(۲) ترجمہ تفسیر ابن کثیر۔"
(۳) سیرت مقدسہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
(۴) تاریخ عالم"
(۵) سیرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
(۶) سیرت اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین"
(۷) تاریخ اسلام"
(۸) فقہیات یعنی دینی مسائل کے سلسلہ میں حضرت علامہ ابو الفضل مجد الدین عبد اللہ موصلی متوفی ۶۸۳ھ کی مشہور مگر نایاب اور قلمی کتاب "المختار للفتویٰ مع ترجمہ و حاشیہ"
(۹) نادر اور قلمی کتابوں کی اشاعت
(۱۰) سیاسیات مسلم"
(۱۱) اقتصادیات مسلم"
(۱۲) سیاسیات حاضرہ"
(۱۳) سیاسی روزنامچہ"
(۱۴) فلسفہ ایمان"
(۱۵) علمی اور اصلاحی افسانے
(۱۶) ادبیات"
(۱۷) زنات العرب یعنی تازہ بتازہ عربی اشعار اور مضامین"
واللہ الموفق والمعین
تصدیق کے لئے نمونہ طلب فرمائیے!
(پتہ صاف تحریر فرمائیے)

محررہ "دار الکتابت" مراد آباد

JALALI ART PRINTING & LITHO WORKS MORADABAD. (Title Only)